ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بمریاگنج

مسلم اساتذہ کو یہ محسوس
کرنا چاہیئے کہ وہ ایک پیغام کے
علمبردار ہیں ایک نظریئے کے داعی
ہیں اور ایک نسل کے بانی اور
مربّی ہیں۔

(حسن البنا شہیدؒ)

جمعیۃ البر الاسلامیۃ

۵۔ جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ ۔ الہند

کے زیر اہتمام

٭ مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ ٭

دینی مدارس وجامعات کے طلبہ میں علمی ذوق وشوق پیدا کرنے اور انکی تحریری وتصنیفی صلاحیتوں کو ابھارنے کی غرض سے جمعیۃ البر الاسلامیہ علی گڑھ کے زیر اہتمام مضمون نگاری کے ایک انعامی مقابلہ کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ مقابلہ کے لئے تین مختلف موضوعات پر الگ الگ پانچ انعامات دیے جائیں گے۔

انعامات کی تفصیل:۔ اول پانچ سو روپے۔ دوم چار سو روپے، سوم تین سو روپے۔ چہارم دو سو روپے، پنجم ایک سو روپے۔

عناوین موضوعات:۔

۱۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: حیات وخدمات

۲۔ بدعت: حقیقت، اسباب، اثرات اور علاج

۳۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (از مسعود عالم ندوی): تلخیص وتبصرہ

شروط مقابلہ:

۱۔ مقابلہ میں حصہ لینے والا کسی دینی مدرسہ یا جامعہ کا طالب علم ہو۔

۲۔ متعلقہ ادارہ سے طالب علم کا تصدیق نامہ مضمون کیساتھ منسلک ہو۔

۳۔ ایک طالب علم صرف ایک مضمون کے تحت مقابلہ میں شریک ہو سکتا ہے۔

۴۔ مضمون اردو زبان میں ہو اور فل اسکیپ کاغذ پر کم از کم بیس صفحات اور زیادہ سے زیادہ پچیس ۲۵ صفحات پر مشتمل ہو۔

۵۔ تحریر صاف، خوشخط اور ورق کے صرف ایک طرف ہو۔

مضمون موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۲ء مطابق ۲۰ر جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

پتہ:۔ جمعیۃ البر الاسلامیہ، سلمان منزل، ۵۔ جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریا گنج

جلد: ۱۰ — ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء — شمارہ: ۱۰

بدل اشتراک	
سالانہ زر تعاون	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے	۴۰ " "
خصوصی زر تعاون	۱۰۰ " "
اعزازی " "	۱۰۰۰ " "
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵ روپے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہذا جلد چندہ روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد الباری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

فون ۔ ۴۱۸۱۹۰

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد۔ کتابت۔ محمد اشفاق عالم فلاحی۔ دفتر حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج

نقوش حیات نو

اداریہ

داروکوئی سوچ انکی پریشاں نظری کا — محمد اسمٰعیل فلاحی ۳

بحث و نظر

حذف — خالد مسعود ۲۳

تحقیق کا اسلامی منہاج — ڈاکٹر صلاح الدین عمری ۷

قرآن اور دیگر مذہبی کتب ایک تقابلی مطالعہ — عبدالبر اثری فلاحی ۲۲

تعلیم و تعلم

مکاتب و مدارس اسلامیہ میں ذریعہ تعلیم کیا ہو — تاج محمد صدیقی ۲۰

مدارس عربیہ میں عربی زبان و ادب اور دینی مضامین کی تدریس میں ۳۳

جدید تعلیمی تجربات سے استفادہ پر غور و فکر کیلئے کمیٹی کا قیام۔ حافظ منصور عالم

شعر و نغمہ

غزلیں — شفیع اللہ خاں راز، آزاد ضمیر گھمری ۲۳،۲

اخبار علمیہ

قرآن پاک کے نادر و نایاب تاریخی نسخے، دامن کو ذرا دیکھ، ۳۹

مسلمانوں کا انگریزی روزنامہ شائع کرنیکی ایک اور کوشش، ۴۰

دینی تعلیمی کونسل کا دوسرا کنونشن — ابن اعظم فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

انجمن کی مجلس شوریٰ، جامعہ کی مجلس تعلیمی اور انتظامیہ کے اجلاس ۴۱

تدریسی و اسکاؤٹنگ کیمپ اختتام پذیر، فلاحی بھائیوں کو دعوت — محمد اسمٰعیل فلاحی

محمد اسماعیل فلاحی

داروکوئی سوچ انکی پریشاں نظری کا

ایک ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے۔ بنی اسرائیل عمالقہ کے مظالم کے نیچے دبے زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، انہوں نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ آج یہاں مارے گئے کل وہاں کاٹے گئے، یہی انکی داستان تھی۔ جعقرون سے جات تک کا علاقہ وہ دشمنوں کے حوالے کر چکے تھے۔ وہ زندہ تھے لیکن زندگی سے محروم، روح حیات سے خالی، بے جان لاش، مایوس اور پست حوصلہ۔ تعداد کچھ کم نہ تھی۔ قرآن یوں تذکرہ کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں
وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَـ	سے بھاگ نکلے ڈر کے مارے حالانکہ وہ ہزاروں تھے
هُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا (بقرہ: ۲۴۳)	تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ۔

حضرت سموئیلؑ نے ان کے اندر زندگی کی لہر پھونکنے کی بڑی کوشش کی انکی کوششوں سے ان کے اندر کچھ حرارت پیدا ہوئی۔

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ	پھر اللہ نے انکو دوبارہ زندگی بخشی یقیناً
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن
لَا يَشْكُرُوْنَ۔ (بقرہ: ۲۴۳)	اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اپنے اندر کچھ توانائی پاکر انہیں اپنے علاقے دوبارہ واپس لینے کا خیال آیا۔ حضرت سموئیلؑ بوڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے ان سے درخواست کی کہ ان کا ایک امیر مقرر کر دیا جائے جس کی قیادت اور سربراہی میں وہ جہاد و قتال کے معرکہ میں کود سکیں۔ حضرت سموئیلؑ نے اللہ کے حکم سے ان پر طالوت نامی ایک نوجوان کو امیر مقرر کر دیا۔ انہیں کی تقرری پسند نہ آئی اس لئے کہ وہ ان کے سب سے چھوٹے قبیلہ بنیامین کے فرد تھے،

جنہیں دنیوی مال و جاہ بھی حاصل نہ تھا۔ انھوں نے کہا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا
وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ
(بقرہ ۲۴۷)

ہمارے اوپر اسکی حکمرانی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ حکمرانی کے حقدار ہیں اور اسے مال و دولت کی وسعت بھی حاصل نہیں ہے۔

حضرت سموئیلؑ نے جواب دیا حکمرانی اور سیادت کی اہلیت ناپنے کا پیمانہ مال و جاہ یا حسب و نسب اور تعداد کی قلت و کثرت نہیں، اس کے لئے دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ وہ علم اور عمل کی صلاحیتوں سے کتنا معمور اور جسمانی اور دماغی قوتوں سے کتنا بھرپور ہے۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ
الْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ
مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
(بقرہ ۲۴۷)

سموئیلؑ نے کہا اللہ نے تمہاری سرداری کے لئے اسی کو منتخب کیا ہے اور اسکو علم اور جسم دونوں میں کشادگی عطا فرمائی ہے اللہ اپنا اقتدار جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی سمائی اور بڑا علم رکھنے والا ہے

بنی اسرائیل کی داستان حیات کا یہ ایک ورق تھا۔ قوموں کے عروج و زوال کا راز اسی میں پنہاں ہے، جب بھی کوئی قوم بام عروج پر چڑھتی اور ترقی کے مدارج طے کرتی ہے تو دماغی و جسمانی صلاحیتوں میں وہ معاصر قوموں پر فائق ہوتی ہے علم کی امامت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور جدید ذرائع و وسائل اور ٹکنالوجی پر اس کا قبضہ ہوتا ہے۔

طالوت کی فوج میں حضرت داؤدؑ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں اور ان کے لڑکے حضرت سلیمانؑ کو معاصر قوموں پر برتری اور فضیلت عطا کی تو انہیں ان صلاحیتوں میں ان پر فائق کیا۔ ان کا بحری بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور اس وقت

کے لحاظ سے جدید ٹکنالوجی سے لیس تھا: ذوالقرنین کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ نظر آتا ہے۔

اس کے برعکس جہالت اور بے عملی ضعف و ناتوانی کے اسباب ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اقبال کہتا ہے۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

علم کے ہاتھ میں شمشیر ہوتی ہے۔ آج دنیا میں جن کا سکہ چل رہا ہے نہ عددی برتری انہیں حاصل ہے نہ مالی تفوق، البتہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں جسمانی اور دماغی طاقتوں میں ممتاز ہیں، حالات کا رونا رونے، دوسروں کا شکوہ کرنے یا حقوق کی بھیک مانگنے کے بجائے، ملت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اسے علم اور عمل کی قوتوں سے لیس کیا جائے اور اسے ہر کام سے بڑھکر اہمیت دی جائے۔

یہ واضح رہے کہ وہ علم، جس سے آدمی اپنے خالق و مالک کو نہ پہچان سکے اور اس کائنات میں اپنا مقام متعین نہ کر سکے، علم نہیں، جہالت ہے۔ علم میں بنیادی چیز اللہ کی معرفت، اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات کا علم اس پر ایمان اور اس کے مطابق عمل شامل ہے۔

اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی کے ذمہ داران قابل مبارکباد ہیں کہ انہیں اس کی اہمیت کا احساس ہے اور انہوں نے اس جانب عملی قدم اٹھایا ہے معیار تعلیم بلند کرنے، اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے اور علم و عمل کی صلاحیتوں سے نئی نسل کو آراستہ کرنے کے لئے وہ اپنی سعی و کوششیں کر رہے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے دوسری کوششوں کے ساتھ اساتذہ کے تدریسی تربیتی کیمپوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس وقت جامعۃ الفلاح میں ان کا آٹھواں تربیتی کیمپ چل رہا ہے معلمین کے لئے درسگاہ معارف الاسلام

بابو پور و کانپور میں تین اور فیض عام نسواں انٹر کالج کانپور میں معلمات کے لئے ایک، سکلرلہ بدایوں اور سلطانپور میں معلمین کے لئے ایک ایک اور جامعۃ الفلاح میں معلمات کے لئے ایک اور معلمین کے لئے ایک اس طرح کل آٹھ تربیتی کیمپ لگ چکے ہیں جن سے مجموعی طور پر ساڑھے تین سو افراد نے استفادہ کیا ہے ان کیمپوں میں اسلامیات، فلسفہ تعلیم، تعلیمی نفسیات، تنظیم مدرسہ اور طریقہ تدریس کی نظری تعلیم کے ساتھ تدریس کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔

جامعہ میں جاری کیمپ کے دوران اس سوسائٹی کی جانب سے ناظم جامعہ جناب حاجی عبدالمتین صاحب کی موجودگی میں مدارس عربیہ میں عربی زبان و ادب اور دینی مدارس کی تدریس میں جدید تعلیمی تجربات سے استفادہ پر غور و فکر کے لئے جدید تدریسی فن میں مہارت رکھنے والے اساتذہ اور علوم دینیہ کے ماہرین کی ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب اور کنوینر مولانا محمد طاہر صاحب مدنی اور معاون کنوینر مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی علیگ بنائے گئے۔

اس سوسائٹی کے تعاون سے جامعۃ الفلاح میں طلبہ کے لئے اسکاوٹنگ کی تربیت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اسکاوٹنگ میں جسمانی ورزش اور کثیر الجہات فنون کی تعلیم شامل ہے۔ اسکاوٹنگ کے اس دس روزہ تربیتی کیمپ میں طلبہ نے (الف) SEMA PHORE SIGNALLING یعنی ایک دوسرے سے دور پانی کے جہازوں سے، کسی چوڑی ندی کے دونوں کناروں پر کھڑے ہو کر یا میدانی علاقہ میں ایک دوسرے سے فاصلہ پر جہاں تک نظر آسکے، جھنڈیوں کے ذریعہ پیغام رسانی،

(ب) ٹیلی ہارچ اور گرافنگ سگنل سے بات چیت۔

(ج) تحریر میں ٹیلی گرافی سگنلنگ،

(د) فرسٹ ایڈ کیلئے پٹیاں باندھنے ہڈیوں کی تفصیلات، جانوروں کے کاٹنے

بقیہ: صفحہ ۱۹ پر

ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

تحقیق کا اسلامی منہاج

اللہ نے انسان کو اپنی دیگر تخلیقات کے مقابلہ میں جو امتیاز عطا فرمایا ہے وہ اس کی قوت ادراک و معرفت ہے۔ وہ علم ہی تھا جس سے اولین انسان اور نبی حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ رب العزت سے سرفراز کیا گیا[1]، اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی صورت میں اللہ رب العزت کا پہلا کلام بھی قرأت، معرفت، قلم اور علم کے ذکر پر مشتمل تھا[2]۔ نہ صرف یہ بلکہ اللہ نے اپنے رسول کو کثرت علم کی دعا اور طلب پر آمادہ کیا ہے[3]۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ لفظ علم ادراک حقیقت کے مفہوم ادا کرتا ہے۔ پھر جب ہم اس میں لفظ تحقیق کا اضافہ کر دیتے ہیں تو یہ مفہوم اور بھی اجاگر ہو جاتا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں حق کی تلاش و جستجو پورے اخلاص اور ذمہ داری سے کرنا ہم سب پر واجب ہے تاکہ معرفت حقیقت کے بعد ہم اپنے ایمان و یقین کو مستحکم کر سکیں[4] اور اللہ کے روبرو سرخروئی حاصل کریں۔ گویا علم حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ ایمان کی پختگی ہے اور علم درحقیقت وہی ہے جو انسان کے درجات بلند کرے[5]، اور اللہ کی تخلیق کردہ کائنات کے چپہ چپہ پر اللہ کی صناعی اور قدرت کاملہ کا احساس دلا کر خشیت کی کیفیات اجاگر کرے[6]۔ علم اور ایمان کے ساتھ عمل صالح کی

---

۱ "وعلم آدم الاسماء کلھا" سورۃ البقرۃ/۳۱

۲ ملاحظہ ہو سورۃ العلق/ ۱تا۵

۳ "وقل رب زدنی علما" سورۃ طٰہٰ/۱۱۴

۴ "لکن الراسخون فی العلم منھم والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک" سورۃ النساء/۱۶۲

۵ "یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات" المجادلۃ/۱۱

۶ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" فاطر/۲۸

تاکید بھی قرآن میں جا بجا آئی ہے۔ یعنی معرفت حقیقت کے بعد عمل کرنا، اس حقیقت کی اشاعت کرنا اور لاعلم لوگوں کو اس کی تعلیم دینا ہی دراصل انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اسی عمل سے اس میں حکمت و دانائی کے جوہر پھوٹتے ہیں اور حکمت و دانائی کے یہ جوہر انسان کے لئے گویا خیر کثیر کا پیغام ہیں۔[۱]

اللہ پر ایمان نہ صرف انسان کی فطری، عقلی اور نفسیاتی ضرورت ہے بلکہ انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کی مکمل کامیابی کا دارو مدار کلی ایمان باللہ پر ہے۔ اس کے ساتھ ملائکہ، کتب، انبیاء اور یوم جزا پر ایمان کے بغیر انسانی زندگی کی مقصدیت مجروح ہوتی ہے۔ اس کائنات کی تخلیق اللہ نے ایک نظام کے تحت مقررہ اندازہ کے مطابق کی ہے[۲] اس نظام کی زمام اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کائنات کی تخلیق کا ایک مقصد ہے، اس مقصد کا ادراک، کائنات میں انسان کی تخلیق کے مقصد اور اس کے مقام کا تعین کرتا ہے۔ انسان کے لئے کائنات کی تسخیر میں بھی ایک مقصد پنہاں ہے جسکی وضاحت اللہ نے قرآن میں کردی ہے کہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں[۳] انسان کی تخلیق کا مقصد بھی واضح انداز میں اللہ نے بتادیا ہے کہ میں نے انس و جن کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے[۴] عبادت اپنے وسیع مفہوم میں ان سب فرائض و ذمہ داریوں کو ادا کرنے پر مشتمل ہے جن کا تعین اللہ نے کردیا ہے یعنی خالق کا عرفان، اس کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت اپنے وجود کی ہر نقل و حرکت اللہ وحدہ لاشریک کی رضاجوئی کے لئے وقف کردینا

---

۱ یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (البقرۃ/۲۶۹)

۲ وخلق کل شئی فقدرہ تقدیرا (الفرقان/۲)

۳ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون (الجاثیۃ/۱۵)

۴ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات/۵۱)

منکرات سے خود کو علیحدہ رکھنے کی سنجیدہ کوشش اور دنیاوی زندگی کا ایک ایک لمحہ مقصد تخلیق کی تکمیل کی خاطر اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق صرف کرنا اسی کا نام اسلام ہے کہ انسان اللہ کے روبرو جذبۂ عبودیت سے سرشار ہوکر اپنا جسم، اپنی روح، اپنے اعمال اور اپنی فکری صلاحیتوں کو اللہ کی خلاقیت اور اس کی کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنے، پرکھنے اور غور کرنے میں اس طرح صرف کرے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا جلوہ نظر آنے لگے۔ الغرض دنیاوی زندگی میں جملہ تعمیری کوششیں گویا عبادت کے زمرہ میں شمار ہوتی ہیں اور تعمیر کائنات کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھانا اللہ کے اطاعت گذار بندوں کا شیوہ ہے۔ اور یہ خوش اسلوبی اسی وقت ممکن ہے جب انسان اللہ کی وحدانیت، اس کی قدرت کاملہ اور ارادہ میں مکمل یقین رکھتا ہو، امور غیب پر اس کا ایمان ہو، اللہ کی تخلیق کردہ کائنات کی ہر شئی کی اصل قدر و قیمت اس کے ذہن میں ہو، اس کو یقین ہو کہ اللہ کا عطا کردہ علم اللہ کی ہدایت ہے اور اللہ نے کائنات کی تمام اشیاء کو انسان کے لئے اس لئے مسخر کیا ہے کہ وہ مقصد تخلیق کی تکمیل میں آسانیاں فراہم کریں۔

علم اپنے وسیع اور جامع مفہوم میں معرفت کے ان تمام پہلوؤں پر محیط ہے جن کے ذریعہ شعائر و بنیہ سے لیکر کائنات کے ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے اس کے اسرار و رموز، اس کی ماہیت و حقیقت اور خواص و اثرات پر سے پردہ اٹھتا ہے۔ پھر انسانی معاشرہ کی ثقافت و حضارت، معاشرت و معیشت اور مذہب و سیاست کا مطالعہ اور اس مطالعہ کی روشنی میں آئندہ حضارت کی تشکیل جدید، انسانیت کی فلاح و بہبود اور ایک مثالی زندگی کا تصور اجاگر کرنے کے لئے علوم و آداب کے حقیقی مفہوم کو برقرار رکھنے کی جدوجہد علم کے اس وسیع مفہوم کا حصہ ہے۔ اس جدوجہد کے مختلف مظاہر ہیں جن کو انسان نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر یہ تمام مظاہر دو اقسام ایک

ہی وحدت کے مختلف گوشے ہیں اور وہ وحدت ہے کائنات۔ اور ان سب کا مقصد بھی وہی ہے جو کائنات کی تخلیق کا مقصد ہے کہ انسان ان میں تفکر کرے، مشاہدہ کرے، مطالعہ کرے اور خالق کی خلاقیت کے گن گائے۔ قرآن میں ہے۔

الذین یذکرون اللہ قیٰماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً سبحٰنک فقنا عذاب النار۔

(آل عمران/۱۹۱)

جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اسلام اپنے ماننے والوں سے امید کرتا ہے کہ ان کا ہر عمل اللہ کی خوشنودی کے حصول اور قدرت و کبریائی کی معرفت کے لئے ہوگا اور اللہ اپنی تمام صفات کے ساتھ ان کے ذہنوں میں رچا بسا ہوگا۔ اللہ واحد ہے، خالق ہے، رب ہے، صمد ہے، مدبر ہے، دانا ہے اور محیط ہے۔ اس نے نہ صرف کائنات کی تخلیق کی ہے بلکہ اپنی ساری مخلوقات کے سلسلہ میں پوری قدرت کے ساتھ اپنے ارادے سے تصرف کرسکتا ہے، وہ ہر شئی کی نگہبانی اور نگرانی بھی رکھتا ہے، ہر شئی کی نشوونما اور ارتقاء بھی اس کے ارادہ اور قدرت کو دخل ہے، ہر مخلوق کے اسباب حیات اللہ مہیا کرتا ہے اور ہر شئی کا اختتام اس کی مرضی و منشأ کے مطابق ہوا کرتا ہے، اس کی تخلیق کردہ ہر شئی اس کے وجود، قدرت، علم، ارادہ اور حکمت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی قدرت سب پر غالب ہے، وہ مختار کل ہے، اس کی مشیت میں کسی کو دخل دینے کی جرأت نہیں وہی کائنات ارضی و سماوی کا نظام چلاتا ہے بغیرت الٰہی کو اپنی ذات و صفات میں کسی غیر کی شرکت گوارہ نہیں،[1] اس کے علاوہ ہر شئی

---

[1] قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تبارک و تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملاً اشرک فیہ معی غیری ترکتہ و شرکہ (مسلم، کتاب الزھد)

اس کی مخلوق ہے اور اللہ کو اپنے بندوں سے خالص اپنی بندگی مطلوب ہے جس عبادت میں شرک کی آمیزش ہو جس عمل میں غیر اللہ کی رضا اور خوشنودی پیش نظر ہو وہ اللہ کے یہاں نہ صرف ناقابل قبول ہے بلکہ ایسا عمل کرنے والے کو دوزخ کے شعلوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو غیر اللہ کے لئے علم سیکھے یا فرمایا کہ اس سے غیر اللہ کا ارادہ کرے تو وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھ لے"[1]

لہٰذا بحیثیت مسلم ہر طالب علم کا فریضہ ہے کہ وہ صحت مند اغراض و مقاصد کی جستجو ہی کو اپنا مطمح نظر بنائے تاکہ اس کی ساری تحقیق معاشرہ کو صحت مند بنانے میں صرف ہو۔ اللہ کے مہیا کردہ تمام وسائل و ذرائع کا استعمال اللہ کی رضاجوئی اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کی خاطر کرے۔ ایسے علم کی اشاعت و ترویج اور تحقیق و تفتیش کا انسان کو کوئی حق نہیں پہونچتا جو خالق کی تخلیق کردہ کائنات میں فساد و خرابی پیدا کرے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب کرنے کے بجائے اللہ سے دور اور شیطان سے قریب کرے۔ غیر نفع بخش علم سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے[2] اور علم نافع کی دعا فرمائی ہے[3]۔ علم و ادب کی تحقیق میں منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے[4]۔ وہ علوم و آداب جو معاشرہ کو ان اخلاقی اقدار سے متعارف کریں جنکو اسلام پروان چڑھانا چاہتا ہے اور جنکی بنیاد پر ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے، معاشرہ کے افراد کے لئے

---

[1] جامع الترمذی: ابواب العلم

[2] صحیح مسلم، ذکر ۷۳

[3] ابو داؤد ابواب الادب

[4] ایاکم والعالم الفاسق/ دارمی مقدمہ ۲۹

ضروری ہیں اور علوم وآداب کے وہ پہلو جو معاشرہ کو جہالت، ضلالت، ظلم و عدوان اور ناانصافی کے عناصر سے بھر دیں ان کو دریا برد کر دینا ہی اسلام کا عین منشاء ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے ان شعراء کی سخت گرفت کی ہے جو معاشرہ میں بداخلاقی، جہالت، تنگ نظری اور ذہنی پستی جیسے رجحانات کی اشاعت کرکے افراد کو ذہنی مریض بناتے ہیں، اور حقیقی علم کا خاصہ یہ بتایا ہے کہ اس کے حاملین میں اللہ کی خشیت پیدا ہوتی ہے[1]۔ وہ ایک صالح سماج کی تشکیل کی غرض سے علم وفن کی خدمت کرتے اور اعلیٰ اقدار کو پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ ان کا سارا زور دفع ضرر اور جلب منفعت پر صرف ہوتا ہے۔

میدان تحقیق کے طالب علم کے پیش نظر یہ حقیقت بہرحال رہنی چاہیے کہ وہ ان امور سے تعرض نہیں کریگا جو ایمان بالغیب سے متعلق ہیں[2]۔ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں[3]۔ لہذا امور غیب پر خواہ وہ کائنات ارضی اور افلاکیات سے متعلق ہی کیوں نہ ہوں کسی عالم، ادیب یا شاعر کی پیشین گوئی یا دعوئ علم محض کذب ولغو ہوگا۔ اجرام سماوی، شمس وقمر، نجوم وکواکب، صحرا و پہاڑ، ریگستان وسمندر، نباتات وحیوانات الغرض کائنات کی ہر بڑی اور چھوٹی شئی اللہ کی صناعی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور ان کا علم انسان کو یقینی طور پر ایمان

---

[1] سورہ فاطر / ۲۸

[2] سورۃ البقرۃ / ۲ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی براہ راست عام انسانوں کے تجربہ ومشاہدہ میں نہیں آتیں مثلاً خدا کی ذات وصفات، ملائکہ، وحی، جنت، دوزخ وغیرہ۔ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی ان کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے۔ تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۲

[3] "قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ" النمل / ۶۵۔ نیز ملاحظہ ہو سورہ لقمان / ۳۴

یقین کا استحکام عطا کرتا ہے لیکن ان امور کی بنیاد پر پیشین گوئیاں کرنے لگ جانا، غیب کی باتیں بتانے لگنا اور دست شناسی کا دعوی کرنا نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ اس سے شرک کی بو آتی ہے، لہذا ایسے تمام دعووں کو نہ صرف رد کیا جانا چاہیئے بلکہ اس کے خلاف آواز بلند کرنا بھی مسلم طالب علم کا فریضہ ہے۔

میدان تحقیق کو کامیابی کے ساتھ سر کرنے کے لئے بنیادی شرط امانت ودیانت ہے۔ اخلاص کے ساتھ تلاش حق ہی تحقیق کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ حقائق کی تلاش میں ایماندارانہ جدوجہد، اور ان کے اصل مفہوم کی حفاظت، روایت کی پرکھ اور چھان پھٹک میں علمی امانت کو ملحوظ رکھنا، ثقہ اور غیر ثقہ میں تمیز، سارے حقائق پر نظر رکھنا، بغیر صحیح علم اور فہم کے مسئلہ پر تبصرہ نہ کرنا، کسی حقیقت یا معلومات کو مخفی نہ رکھنا وغیرہ علمی دیانت اور تحقیق کی روح ہے۔ اور حقائق کو مخفی رکھنا، مسخ کرنا، ان کے معانی میں تبدیلی وتحریف کرنا، اپنے مخصوص رجحان کو تقویت پہونچانے کیلئے ثقہ روایت کے مقابلہ میں ضعیف روایت کو ترجیح دینا، کسی دوسرے کی تحقیق کو اپنی طرف سے پیش کرنا وغیرہ علمی بددیانتی اور تحقیق کی روح کے منافی ہے۔ فرمان رسولؐ ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتوی دیگا تو اس کا گناہ فتوی دینے والے پر ہوگا اور جس نے جان بوجھ کر اپنے بھائی کو اس کے نقصان کا مشورہ دیا تو اس نے خیانت کی[1]
ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے عالم کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی لگام دیجائیگی[2] علم کے بے جا استعمال اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے پر سخت وعید آئی ہے چنانچہ حدیث رسولؐ کے مطابق جس نے اس غرض سے علم

---

[1] "من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه، ومن اشار علی اخیه بامر یعلم ان الرشد فی غیره فقد خانه" سنن ابو داؤد، کتاب العلم

[2] "من سئل عن علم فکتمه الجم یوم القیامة بلجام من نار" جامع ترمذی ابواب العلم

حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء پر فخر کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے خدا اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریگا[1] طبرانی کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ حقوق علم ادا کرنے کی ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے رہو۔ کیونکہ علم کی خیانت، مال کی خیانت سے زیادہ سخت ہے[2]

مسلم محقق پر واجب ہے کہ دوران تحقیق اس کے پیش نظر ہر وقت یہ حقیقت رہے کہ وہ اللہ اور اس کے دین پر ایمان لا چکا ہے اور اس کی حیثیت ایک داعی کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دوران تحقیق اس کی اسلامی شخصیت اپنی جوہری خصوصیات بھول کر ایسی شخصیت کا روپ اختیار کرے جو اسلام سے متصادم ہو یا ایسے افکار و نظریات سے مرعوب ہو جائے جو تخلیق انسان کے تئیں اسلام سے مختلف ہوں۔ زاویہ نگاہ بدلنے سے طریق مطالعہ، طریق تحقیق اور مقصد تحقیق سبھی کچھ بدل جائیگا اور پھر نتائج بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ موضوعیت (OBJECTIVITY) کی وہ تشریح جس کے تحت محقق سے مذہبی معتقدات کو بھی فراموش کرکے میدان تحقیق میں قدم رکھنے کی بات کہی جاتی ہے، دراصل ان مذاہب کے ماننے والوں سے کی جانی چاہیے جن کا مذہب، علم اور علمی تحقیق سے متصادم ہو۔ بد قسمتی سے بعض مسلم محققین نے بھی موضوعیت کے اس مفہوم کو بجنسہ اسی طرح قبول کرکے قرآن و حدیث اور اسلامی ورثہ کو تختۂ مشق بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حالانکہ اسلام اور علم تو باہم لازم و ملزوم ہیں اور ہم یقین سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ایک "مسلم محقق" بحر علم میں جتنی گہرائی تک جائے گا اس کے ایمان و یقین میں اسی حد تک مزید پختگی اور جلا پیدا ہوگی اور اس کو ہر طرف اللہ کی وحدانیت و خلاقیت کے جلوے نظر آئیں گے۔ لہذا مسلم

[1] "من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء او يصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار" (جامع ترمذی)

[2] طبرانی

محقق کے لئے اولین شرط یہ ہونی چاہئے کہ وہ اخلاص للہ کو مد نظر رکھے۔ کیونکہ ہر عبادت کا جوہر اخلاص ہے اور اسلام کی اصل بھی اخلاص میں پنہاں ہے۔ ہر وہ عمل جو اخلاص سے عاری ہوتا ہے گویا غیر اللہ کے لئے ہوتا ہے یعنی عبادت کے دائرہ سے خارج ہوتا ہے اور جب ہم عبادت کے دائرہ سے خارج ہو کر کوئی کام کرتے ہیں تو گویا اپنے مقصد تخلیق سے صرف نظر کرتے ہیں۔ لہذا ریسرچ و تحقیق میں بھی اگر ہم نے اخلاص للہ کو پیش نظر نہیں رکھا تو ہماری وہ تحقیق اسلام کے دائرہ سے خارج ہوگی اور ظاہر ہے مقصد تحقیق کی تبدیلی سے طریقہ تحقیق بدلے گا اور طریقہ کی تبدیلی سے نتائج بھی حقیقت سے بہت دور ہوں گے۔ مشہور حدیث ہے کہ "انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی..."[1] غیر اللہ کے لئے حصول علم پر تو بڑی سخت وعید آئی ہے کہ "جو (دین کا) کوئی علم غیر اللہ کے لئے سیکھے یا فرمایا کہ اس سے غیر اللہ کا ارادہ کرے تو وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھ لے"[2]

علم اللہ کے فضل و کرم کا ثمرہ ہوتا ہے۔ قرآن میں علم کے اسرار و رموز کی کثرت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے کہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"[3] (یعنی تم کو علم کا تھوڑا سا حصہ ہی عطا کیا گیا ہے) درحقیقت علم ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کی پہنائیاں اور گہرائیاں اتھاہ ہیں، جو کچھ بھی علم انسان کو ملتا ہے وہ اللہ کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہذا عالم و محقق کو اللہ سے کثرت علم کی عاجزانہ درخواست ہمیشہ کرتے رہنا ضروری ہے کہ اس سے علمی تڑپ اور لگن زندہ رہتی ہے۔ علمی غرور ایک ایسا خطرناک احساس ہے جس سے محقق کی شخصیت میں نکھار آنے کے بجائے ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا ہے، طلب علم کے جذبے سرد پڑتے ہیں اور قابلیت

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی

[2] "من تعلم علما لغير الله او اراد به غير الله فليتبوأ مقعده من النار" (ترمذی ابواب العلم)

[3] سورۃ الاسراء/۸۵

کا اسکا ہمارے دین کی فطرت پروان چڑھتی ہے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات کی وضاحت بڑے خوبصورت انداز میں کی گئی ہے کہ بجہ دانی کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے بجائے علم کی صحیح روح یہ ہے کہ اگر کسی بات کا علم نہیں ہے تو بغیر کسی شرمندگی اور جھجک کے اپنی لاعلمی کا اعتراف کرے اور اللہ اعلم کہدے[1]

علم و ادب کے حصول اور اسمیں ریسرچ و تحقیق کی افادیت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا رشتہ عمل سے نہ جوڑا جائے۔ یعنی حصول علم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس پر عمل کیا جائے اور معاشرہ کے افراد پر اس کا اثر دیکھا جائے۔ علمی افکار و نظریات کے اثرات ہی تو ہیں جو معاشرہ کو کسی مخصوص ثقافت کے رشتوں میں باندھتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک علم کا تصور ہی اس وقت مکمل ہوتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے[2]۔ وہ حصول علم کی ترغیب اس لئے دیتا ہے کہ اس سے اس مقصد کی تکمیل ہو جس کے لئے انسان کو اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اور تمام افراد حتی الوسع علم حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوں اور ایک صالح معاشرہ برپا ہو اور منفی رجحانات کو ختم کیا جا سکے۔ اسی لئے عمل کی سخت تاکید ہے اور عالم بے عمل کا قیامت کے روز سخت محاسبہ کئے جانے کی وعید آئی ہے[3]

اسلامی نقطہ نظر کے تحت جب ہم ادب کو اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہماری ذمہ داری ان اصولوں کے تحت ادب کو پرکھنے کے علاوہ اس کی مقصدیت کو متعین کرنے کی دعوت دیتی بھی ہے کیونکہ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا وہ ادب جو اسلامی دور کی پیداوار ہے، سب کا سب اسلامی ادب کی تعریف پر پورا نہیں اترتا۔ ہمارے یہاں ادب کی جو تعریف کی جاتی ہے، اس کے

---

[1] ملاحظہ ہو من العلم ان تقول لما لا تعلم اللہ اعلم (بخاری کتاب التفسیر سورۃ ۲/۳)

[2] تعلموا فاذا علمتم فاعملوا (دارمی)

[3] یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (الصف/۲،۳)

تحت اگرچہ ادیب اور اس کا ادب اپنے سماج کی نمائندگی کرتا ہے اور سماج سے اس کا گہرا ربط ہوتا ہے لیکن جب غایت ادب یا مقصد ادب پر گفتگو کرتے ہوئے دور حاضر کے ایک معتبر مصری ناقد ڈاکٹر شوقی ضیف جو کچھ لکھتے ہیں اس سے یہ تصویر ملتی ہے کہ ادب کا مقصد قرّاء و سامعین کے قلوب میں انفعالات کو بھڑکانا ہے، لہذا اس کی بنیاد خیال پر ہوتی ہے۔ ادب تصویری گفتگو کرتا ہے جو مختلف معانی، مواقف، مشاعر و احساسات پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ اپنے احساسات، خواطر، معانی و افکار میں آزاد ہوتا ہے۔ اس کو کسی ضابطہ کا پابند کرنا اس کی تخلیقی قوتوں پر پابندی لگانا ہے۔ ادب کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اگر اس میں کسی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انکشاف حقیقت اس کا مقصد ہے۔ اس کا مقصد تو عواطف و انفعالات کو ابھارنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہم اس سے عقلی حقائق کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ادب خالص خرافہ ہے جس کی بہترین مثال الف لیلۃ و لیلۃ اور یونان کی وہ کہانیاں ہیں جو ان کے معبودوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ چنانچہ قدیم مقولہ ہے "خیر الشعر اکذبہ"۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ادب و شاعری میں کسی سچائی اور حقیقت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ صدق و کذب اخلاقی تعلیمات کی اصطلاحیں ہیں اور ادب کو اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کا مقصد وعظ و ارشاد اور اخلاقی تربیت نہیں بلکہ عواطف و مشاعر میں ہیجان انگیزی ہے[1]

یہ ہے ادب اور ادیب کے مزاج پر بیشتر ناقدین اور علمائے ادب کی رائے جو معمولی سی تبدیلی کے ساتھ ہم کو بیشتر علماء ادب کے یہاں ملتی ہے۔ اور بقول شوقی ضیف ادیب بیک وقت ذاتی بھی ہے اور غیری بھی۔ یعنی وہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور اپنے مشاعر و احساسات کو پیش کرنے میں کسی اخلاقی

---

[1] شوقی ضیف: البحث الادبی ص ۹-۱۲

وسماجی ضابطہ کا پابند نہیں۔ اور بیک وقت وہ غیری ہے کیونکہ اپنے علاوہ وہ اپنی سوسائٹی کے افراد کے مشاعر کی تصویر کشی بھی کرتا ہے[1]

اس کے برخلاف اسلامی ادب ایسا بامقصد، باادب اور حقیقی ادب ہوتا ہے جو ادب کو مقصد نہیں بلکہ وسیلہ قرار دیتا ہے۔ وہ اسلامی مفاہیم اور اقدار کا پابند ہوتا ہے اور اپنی واقعیت سے اپنے اندر اثر اندازی، دلسوزی اور جذبات و مشاعر میں حرکت و حرارت کی روح پھونک کر آفاقیت سے ہم آغوش ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک زبان بذات خود کوئی معنویت نہیں رکھتی وہ محض وسیلہ اظہار ہے۔ انسان اپنی فکر، اپنا نظریہ، اپنے انفعالات و مشاعر یا اپنے پیغام کو جب دوسروں تک پہونچانا چاہتا ہے تو انکو الفاظ کا جامہ پہنا کر پیش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ زبان کی اپنی مستقل کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ اس میں کسی فکر کو نہ پیش کیا گیا ہو۔ اور فکر اگر صحت مند اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے اور اس کے لئے موزوں الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے تو اس ادب کو حقیقی خلود حاصل ہوتا ہے لیکن اگر فکر میں کجی ہے یا باطل نظریات کو پیش کیا گیا ہے تو اس ادب میں سطحیت جھلکتی ہے اور وہ صالح اور صحت مند معاشرہ کے لئے سودمند نہیں بلکہ مضر ہوتا ہے جو افراد کی عقل و فکر کو جلا بخشنے کے بجائے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کرتا اور مسائل سے فرار پر مائل کرتا ہے۔ ادب اور سماج کا رشتہ باہم بڑا گہرا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ادب کا موضوع ہی سماج ہے، لہذا ادب کو زندگی کی اعلی قدروں سے مربوط کرنا ادیب کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہم ادب کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ادب کا مقصد باطل نظریات کے زور کو صالح اور تعمیری پیغام کے سامنے سرنگوں کرنا ہے۔ شعر و ادب میں ان مفاہیم کی تلاش جو زندگی کا ایک صاف ستھرا ذوق دیں اور انسان کو اس ستھرے

---

[1] ایضاً ص ۱۳

ذوق سے لطف اندوز ہونے پر آمادہ کریں، ادیب کی ذمہ داری ہے۔ گویا ایمان اخلاق، اقدار اور انسانیت کی تلاش و جستجو ہی ادب کا موضوع قرار پا سکتے ہیں۔

جو لوگ ادیب و شاعر کو کسی اخلاقی ضابطہ کا پابند کرنے کے مخالف ہیں انکی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اس طرح ادیب و شاعر کی فکری اپج پر پابندی عائد ہوتی ہے اور اس کی تخلیقی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ایک صالح معاشرہ میں کسی فنکار کو اتنی فکری آزادی دینا سماج کے حق میں ہوگا جس کے تحت وہ اخلاق کو سنوارنے کے بجائے اخلاق بگاڑنے اور تہذیب و شائستگی کے بجائے فحش نظریات کو رواج دینے کا مرتکب ہو۔ لہذا ایک مسلم محقق کی ذمہ داری ہے کہ وہ پورے اخلاص و للہیت کے ساتھ ایسے تمام منفی رجحانات اور فحش و مبتذل نظریات کی گرفت کرے۔ اور اس تصور کو رواج دے کہ زندگی کا ایک وسیع مفہوم ہے جو اللہ کا ایک بیش قیمت عطیہ ہے اور اس عطیہ کو باطل نظریات کی اشاعت، عیش کوشی، لذت اندوزی اور خواہش پرستی میں صرف کرنا اللہ کے عطیہ کی قدر ناشناسی اور ناشکری کے مترادف ہے۔ اور ادب کو اس عطیہ سے مربوط کرکے ایمان یعنی انسانیت کی تلاش کرنا ادیب کی ذمہ داری ہے۔ باکردار، سنجیدہ اور ایمان کی دولت سے بہرہ مند ادباء و شعراء ہی سوسائٹی کو ایک اچھی اور مثالی زندگی گزارنے کے اصول دے سکتے ہیں تاکہ قرآن کی مطلوبہ خیر امت کی تشکیل ہو سکے۔ واللہ اعلم

بقیہ:- اداریہ

بجلی کا کرنٹ لگنے کے مواقع پر نیز دوسری ضروری دواؤں سے متعلق ضروری معلومات،

(۵) پینٹون برج (PANTOON BRIDGE) منکی برج (MONKY BRIDGE) بنانے اور خیمے لگانے کی جانکاری۔

(۶) بیڈن پاول کی پانچ ورزشیں اور ان جیسے دوسرے ضروری امور کی تربیت حاصل کی۔

اسوقت اس سوسائٹی کے زیر اہتمام کم و بیش ایک سو درسگاہیں، ۱۲ بلاسودی قرض اسکیمیں، ۱۱ امداد مستحقین کے ادارے، ۱۱ فری دواخانے اور ۲۰ لائبریریاں قائم ہیں۔ اللہ ان کوششوں میں برکت عطا فرمائے۔

مکاتب و مدارس اسلامیہ میں ذریعہ تعلیم کیا ہو

ایک نقطۂ نظر

تاج محمد صدیقی
ایس، این انٹر کالج، اندری پور، فیض آباد

اس وقت اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ کے لیے بچوں کی ایک بڑی بھیڑ اُمڈی ہوئی ہے۔ داخلے ٹیسٹ کی بنیاد پر ہو رہے ہیں اور ٹیسٹ ہندی میڈیم میں لیے جا رہے ہیں۔ مکاتب و مدارس سے درجہ پنجم تک اردو میڈیم میں تعلیم حاصل کر کے آنے والے مسلم بچوں کے سامنے ہندی میڈیم کا ٹیسٹ ایک بہت بڑا چیلنج ثابت ہو رہا ہے۔ ٹیسٹ کے سوالات درجہ پنجم کے ہندی میڈیم میں پڑھائے جانے والے تمام مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کر کے آنے والے مسلم بچوں کے سامنے مسئلہ صرف ہندی زبان کا نہیں بلکہ مختلف مضامین کی ہندی اصطلاحوں (TERMINOLEGY) کا ہوتا ہے جو ان کے فہم و ادراک سے باہر محض اس بنا پر ہوتے ہیں کہ انکی تعلیم اردو میڈیم سے ہوتی ہے۔ ہمارے بچوں میں نہ تو قوت اخذ کی کمی ہے اور نہ ہی استعداد و صلاحیت کی۔ لیکن میڈیم کے فرق سے وہ مجبور و بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ بات میں خیالی طور پر نہیں بلکہ تجربے کی بنیاد پر عرض کر رہا ہوں۔ یہ مسئلہ میرے کالج میں درجہ چھ میں داخلے کے ٹیسٹ کے دوران ابھر کر سامنے آیا ہے۔ ٹیسٹ کا پرچہ پورے نصاب پر محیط ٢٥ سوالوں پر مشتمل ہندی میں تھا۔ مکاتب اسلامیہ کے بچے چیخ پڑے۔ ذمہ داروں نے ہمدردی کے جذبہ کے تحت سوالوں کا اردو میں ترجمہ کر کے ان کو اردو میں پرچہ حل کرنے کی اجازت دیدی اس کا ایک بڑا ہی خوش آئند پہلو یہ ابھر کر سامنے آیا کہ اردو میڈیم کے بچوں نے

امتیازی کامیابی حاصل کی جو ان کی اعلیٰ صلاحیت اور قوت ادراک کا مظہر ہے لیکن ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ پورے صوبے میں کتنے اسکول اور کالج ہیں جو اس ہمدردی کے جذبے کے تحت ایسی سہولت دے سکتے ہیں؟ اب ذرا غور کیجیے کہ جن اسکولوں نے یہ سہولت نہیں دی ہوگی وہاں آپ کے بچوں کے داخلے کا تناسب کیا رہا ہوگا؟ اگر اس مسئلے پر فوری طور پر غور و خوض کر کے کوئی مناسب حل نہ نکالا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو مسلم بچے ہندی میڈیم کے پرائمری اور نرسری اسکولوں کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ یا دینی اور تہذیبی لگاؤ کی بنا پر مکاتب و مدارس میں تعلیم حاصل کریں گے۔ اور اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جائیں گے۔ جو کسی بھی طرح سے قوم و ملت کے مفاد میں نہ ہوگا۔

میڈیم کے مسئلہ پر ماہرین تعلیم نے بڑی بحثیں کی ہیں۔ لیکن میں ان بحثوں میں پڑ کر مضمون کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مشورہ ہے کہ مکاتب و مدارس اسلامیہ میں میڈیم نہ تو کلی طور پر اردو رکھا جائے اور نہ کلی طور پر ہندی رکھا جائے۔ ایسا کرنے سے بہت سے ذیلی مسائل پیدا ہوں گے میری رائے یہ ہے کہ دینیات سے متعلق تمام مضامین بزبان اردو اور عصری علوم (جیسے ہندی زبان، حساب، تاریخ، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ) بزبان ہندی پڑھائے جائیں۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے بچوں کی تعلیمی راہ مسدود نہیں ہوگی، اور وہ میڈیم کے عفریت پر آسانی سے قابو پا سکیں گے۔

احقر کا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ اس عنوان پر صوبائی سطح پر اور اگر ممکن نہ ہو تو ضلعی سطح پر، کانفرنسیں منعقد کرائی جائیں۔ اور کسی نتیجے پر جلد سے جلد پہونچنے کی کوشش کی جائے۔

امید ہے کہ علمائے کرام اراکین دینی تعلیمی کونسل و ماہرین تعلیم اور ذمہ داران مکاتب و مدارس اس مسئلہ کی طرف فوری توجہ فرما کر کوئی عملی قدم ضرور اٹھائیں گے۔

عبدالبر اثری فلاحی

قرآن اور دیگر مذہبی کتب ایک تقابلی مطالعہ

ابتدائے آفرینش سے ہی برابر انسان کو زندگی گذارنے کے لئے ایک لائحہ عمل کی ضرورت رہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ برابر اس ضرورت کی تکمیل انبیاء کرام کے ذریعے اپنی کتابیں بھیج کر فرماتا رہا ہے اسی غرض سے سب سے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا اس سے پہلے بھی بہت سی آسمانی کتب دنیا میں آئیں مثلاً صحف ابراہیم، توریت، زبور اور انجیل وغیرہ اسی طرح دوسرے مذاہب نے بھی اپنے لئے مختلف لائحہ عمل ترتیب دیا مثلاً ہندو مذہب میں وید، گیتا، راماین وغیرہ سکھ مذہب میں گرنتھ۔ بودھ مذہب میں گوتم بدھ کے نصائح کا مجموعہ جسے بعد میں مرتب کرکے ترپٹک [illegible] (تین صندوق) کا نام دیا گیا (۱) سوتر پٹک [illegible] (۲) ونے پٹک [illegible] (۳) ابھی دھم پٹک [illegible] نیز [illegible] کے نظریات نے بھی اپنے اصول مرتب کئے ہیں جو مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں جیسے منشور اعظم وغیرہ۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور ان کتابوں میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ جس چیز کو ہم مان رہے ہیں اور اپنے لئے لائحہ عمل کے طور پر تسلیم کر رہے ہیں اس کو دوسروں پر ترجیح دینے کے آخر کچھ اسباب تو ہونا چاہئیں، یہی وہ سوال ہے جس کا جواب میں اپنے مقالے میں فراہم کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ طمانیت قلب نصیب ہو اور ایمان مضبوط ہو۔

(۱) سب سے پہلا فرق تو یہ ہے کہ قرآن محفوظ ہے اور دیگر کتب محفوظ نہیں ہیں جہاں تک قرآن کی محفوظیت کا تعلق ہے تو اس کا دعویدار خود قرآن ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (الحجر ۹)

بیشک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم خود اسکے نگہبان ہیں۔

دوسری بات یہ کہ تاریخی لحاظ سے بھی یہ ثابت ہے کہ قرآن جیسا اترا ویسا ہی اب تک ہے کیونکہ تواتر سے وہ ہم تک اپنی اصلی شکل میں پہنچا ہے۔ اس کی سب سے بڑی شہادت تو یہ ہے کہ اس کے عدم محفوظ ہونے کی معقول شکایت اب تک کوئی نہیں کر سکا ہے۔ پھر اس کے زبانی یاد کرنے اور یاد رہ جانے نیز ہر سال رمضان کے مہینے میں تراویح اور غیر تراویح میں دہرانے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ امر بھی اس کی محفوظیت کی دلیل ہے۔ اس کے برخلاف دیگر کتب میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ کتاب مقدس جس کی محفوظیت کا دعویٰ بانگ دہل کیا جاتا ہے اس کے سلسلے میں خود عیسائی مورخین اور محققین کی یہ تحقیق اور شہادت ہے کہ موجودہ "کتاب مقدس" "اصل" "کتاب مقدس" نہیں ہے بلکہ اصل تو ضائع ہو گئی تھی، جل کر خاک ہو گئی تھی اس کے جل جانے کے تقریباً دو سو سال بعد سینٹ پال نے اپنی یادداشت سے اسے مرتب کیا اسی طرح دوسری کتب کا بھی حال ہے کہ ان کے سلسلے میں کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہمارے ہاتھ میں اسی طرح ہے جس طرح کہ اصلاً اس کا وجود ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر کتاب کے جو نسخے اس وقت پائے جاتے ہیں ان کے درمیان اس وقت شدید قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے حتیٰ کہ تحریف، رد و بدل اور کمی بیشی تک ہوئی ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ عیسائی محققین نے بے شمار انجیل کے نسخوں میں سے صرف چار کو قبول کیا ہے اور بقیہ کو سند کا درجہ نہیں دیا ہے وہ چاروں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا ہیں لیکن ان چاروں میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور چاروں کی محفوظیت بھی معتبر نہیں چنانچہ ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں

"اگر اس امر میں کسی کو شک ہو کہ یہ کتابیں اپنے اصل الفاظ میں محفوظ ہیں یا نہیں تو وہ مثال کے طور پر صرف "پہاڑی کے وعظ" کی عبادات متی اور لوقا کی انجیلوں میں نکال کر دیکھ لے۔ دونوں روایتوں میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس کی موجودگی میں مشکل ہی سے وحی کے اصل الفاظ محفوظ ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔"

(حاشیہ بر یہودیت اور نصرانیت صفحہ ۳۹)

جبکہ قرآن کے سلسلے میں ایسی کوئی بات نہیں جس نسخہ کو چاہیں حرف بحرف ملا کر دیکھ لیں، یکساں پائیں گے۔

عدم محفوظیت کی یہ خرابی ہندوؤں کی سب سے اہم مذہبی کتاب وید میں بھی پائی جاتی ہے اولاً وید کی صحیح تعداد ہی مختلف فیہ ہے، ایک سے لیکر ہزاروں تک اس کی تعداد بتائی جاتی ہے" دوسرے یہ کہ اس میں برابر تحریف ہوتی رہی ہے مہاتما بدھ کی شہادت ملاحظہ ہو" درحقیقت وید تین تھے جو مہا برہم سے حاصل کئے گئے تھے اس وقت اس میں راستی اور صداقت تھی مگر اس کے بعد برہمنوں نے ان میں تحریف کر دی اور ان میں بہت سی غلطیاں ہیں"

(الیسٹرن مانک ازم صفحہ ۱۵۹ بحوالہ ہندو دھرم ایک مطالعہ از فاروق خاں صفحہ ۴۰)

وید کے سلسلے میں البیرونی نے کتاب الہند میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی بعض اہم حقیقتیں آشکارا ہوتی ہیں۔ "ابتداء میں وید لکھنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا وہ بار بار ضائع ہوا ہے وہ زبانی منتقل ہوا۔ موجودہ وید کو "وید ویاس" نے از سر نو مرتب کیا ہے"

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی، ہندوستانی مذاہب نمبر صفحہ ۱۲)

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید زندگی کے تمام مسائل سے بحث کرتا ہے خواہ وہ ذاتی ہوں یا سماجی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی سیاسی ہوں یا معاشی، اس کی اس صفت کا اشارہ ہمیں اس ارشاد الٰہی میں ملتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم	آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے
واتممت علیکم نعمتی	لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم
ورضیت لکم الاسلام	پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے
دینا (المائدہ ۳)	دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا ہے

جبکہ دوسری کتابوں کے اندر یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی بلکہ مخصوص قسم کی تعلیمات ملتی ہیں مثلاً توریت میں زیادہ تر احکام ہیں اور انجیل میں زیادہ تر پند و نصائح اسی طرح وید، گیتا اور رامائن وغیرہ میں اکثر حصہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ وید کا تعارف کراتے ہوئے نو مسلم جناب محمد احمد صاحب لکھتے ہیں "رگ وید آٹھ دس ہزار سال تک لکھا جاتا رہا اس کے باوجود وہ مکمل نہیں ہو سکا خود کچھ پنڈتوں نے بھی ویدوں کو نامکمل تسلیم کیا ہے.... جبھی تو اپنیشدوں اور پرانوں کو لکھا گیا ورنہ اس کی ضرورت ہی نہ پیش آتی"

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ہندوستانی مذاہب نمبر صفحہ ۲۴)

(۳) تیسرا بڑا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے یہ کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے اسی وجہ سے اسے "ھدی للناس" (البقرہ ۱۸۵) "لوگوں کے لئے ہدایت نامہ" کہا گیا ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

تبارک الذی نزل الفرقان	نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ
علی عبدہ لیکون للعالمین	فرقان اپنے بندے پر نازل کیا ہے تاکہ
نذیرا (الفرقان ۱)	سارے جہان والوں کیلئے خبردار کرنے والا ہو

جبکہ دوسری کتابیں مخصوص قوم کیلئے تھیں یا سمجھی جاتی ہیں مثلاً توریت و انجیل بنی اسرائیل کیلئے خاص تھیں اور گرنتھ سکھوں کے لئے خاص ہے، وید، گیتا، رامائن ہندوؤں کے لئے خاص ہیں وغیرہ اس میں بھی یہاں تک تخصیص ہے کہ وید صرف برہمن پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ چھتری صرف پڑھ سکتے ہیں وہ کسی کو اس کی تعلیم نہیں دے سکتے اور باقی ذاتیں تو اسے پڑھ بھی نہیں سکتیں۔

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ قرآن مختلف وجوہ سے معجزہ ہے یعنی وہ ایسی چیز ہے کہ ویسی چیز دنیا کا کوئی فرد نہیں پیش کر سکتا خواہ وہ بلاغت کے اعتبار سے ہو، جامعیت کے اعتبار سے ہو یا کسی اور پہلو سے ہو۔ تاریخ میں بہتوں نے اس کی کوشش کی مگر ناکام رہے اس کے برخلاف دوسری کتابوں کے مثل دوسری کتابیں پیش کی جا سکتی ہیں اور برابر ایسی کتابیں ایک دوسرے کے مقابلے میں اور ایک دوسرے سے بڑھکر شائع ہوتی رہتی ہیں ہندوؤں کی تاریخ میں برابر مذہبی کتابوں کا اضافہ اس کی واضح دلیل ہے لیکن قرآن کے مقابل اب تک کوئی چیز نہیں پیش کی جا سکی ہے۔

(۵) پانچواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید ایک ایسی زبان میں ہے جو زندہ زبان ہے برابر اس کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود رہے ہیں اور آج بھی کروڑوں کی تعداد میں عربی زبان جاننے والے پائے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری کتب کی زبانیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اور اس وقت کہیں رائج نہیں ہیں۔ مثلاً گیتا اور پران کا مصنف گیتا کی زبان کے مردہ ہو جانے پر ماتم کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "گیتا کی زبان ایسی ہے کہ اس کو سمجھنے والے آج پائے ہی نہیں جاتے اور جو چند اس زبان کے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اس کی اصل عبارتوں کو سمجھنے میں ناکام ہیں"۔

اس سلسلے میں بعض دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے نیرد سی چودھری صاحب تحریر کرتے ہیں "سنسکرت کی دشواری گرامر کی نہیں ہے بلکہ اس کی اصل دشواری الفاظ کے معنی و مفہوم کا تعین ہے۔ اس کا تذکرہ عظیم مسلم دانشور البیرونی نے بھی گیارھویں صدی میں کیا تھا افسوس کہ سنسکرت کی کوئی ہندوستانی یا مغربی لغت ایسی نہیں ہے جو مذہبی کتب کے لئے کافی ہو سکے۔ قدیم سنسکرت کے بہت سے الفاظ جدید ہندوستانی زبانوں میں بالکل جدا معنی میں استعمال ہو رہے ہیں اور وہ سنسکرت لغات میں در آئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دشواری یہ بھی ہے کہ سنسکرت کی قدیم کتب اشعار میں لکھی گئی تھیں جس میں ردیف و قافیہ کے لحاظ سے الفاظ

ہیں پھر ان الفاظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ہندوستانی مذاہب نمبر ص ۱۹۲)

اب بھلا بتایئے ایسی کتاب جس کا سمجھنا ہی دشوار ہو بھلا اس کو لائحہ عمل کیسے بنایا جا سکتا ہے اس سلسلے میں انجیل پر مولانا مودودیؒ کا حسب ذیل ریمارک بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے "اناجیل سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں حالانکہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کے تمام حواریوں کی زبان سُریانی تھی زبان کے اختلاف سے خیالات کی تعبیر میں اختلاف ہو جانا قدرتی بات ہے"

(یہودیت اور نصرانیت ص ۳۹۴)

(۶) چھٹا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید الہامی کتاب ہے اور اس کا الہامی ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اس کے برخلاف بعض کتب کے سلسلے میں کچھ نہیں معلوم کہ ان کا منبع کیا ہے مثلاً وید ممکن ہے یہ الہامی رہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے الہامی نہ ہو۔ اگر اسے الہامی مان لیا جائے تو بہت سارے اشکالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً میکڈونل نے لکھا ہے "رگ وید کے دسویں منڈل کی زبان ایک دم الگ ہے ملاحظہ ہو وید ترجمہ ص ۵ جبکہ خدائی کتاب کے طرز بیان میں یکسانیت ہوتی ہے اور وید میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بعض بعض منتر بھی ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں"

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ہندوستانی مذاہب نمبر ص ۲۲)

اسی طرح ڈاکٹر سمپورنانند نے اپنی کتاب "ویدارتھ پرودیپکا" کے ص ۲ پر لکھا ہے کہ "ویدوں میں بہت سے منتر ایسے ہیں جن کو بتانے والا ایشور نہیں ہو سکتا وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ سہ روزہ دعوت نئی دہلی ہندوستانی مذاہب نمبر ص ۲۲)

اسی طرح بعض مذہبی کتب کا منبع معلوم ہے لیکن اصل ضائع ہو چکی ہیں اور بعد میں دوسروں کی تحریر کردہ موجود ہے جسے حقیقت کے اعتبار سے الہامی کہنا

صحیح نہیں مثلاً کتاب مقدس اور بعض مذہبی کتب کے بارے میں تو صاف معلوم ہے کہ وہ الہامی نہیں ہیں مثلاً گرنتھ۔

(۷) ساتواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر جو تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ انسانی فطرت کے مطابق ہیں مثلاً مساوات کی تعلیم جبکہ دوسری کتابوں میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو انسانی فطرت سے ٹکراتی ہیں مثلاً انسانوں کی طبقاتی تقسیم (ورن ویوستھا) جیسا کہ وید کے اندر پایا جاتا ہے یا جیسے سود علمائے یہود کے لیے حلال لیکن عوام کے لیے حرام ہے جیسا کہ انکی کتاب میں ملتا ہے۔ شاید اسی بات کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ "ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (الاسراء: ۹)

(۸) آٹھواں فرق یہ ہے کہ قرآن کے اندر جتنی باتیں پیش کی گئی ہیں وہ سب قابل عمل ہیں اور ان کا عملی تجربہ پورے طور پر ہو چکا ہے جسکی واضح شہادت دور نبوی اور دور خلفائے راشدین ہے اس کے برخلاف دیگر کتب میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ناقابل عمل ہیں جس کی سب سی بڑی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کسی کتاب پر اب تک تاریخ میں کبھی بھی پورے طور پر عمل نہیں ہو سکا ہے۔

(۹) نواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کے مطلق پڑھنے (READING) پر ثواب ہے عمل کرنے پر جو ثمرات ملتے ہیں ان کا تو پوچھنا ہی نہیں اس کے برخلاف دیگر کتب میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کے محض پڑھنے پر اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہو

(۱۰) دسواں فرق یہ ہے کہ اس کے کلمات میں تاثیر ہے جس سے شفا نصیب ہوتی ہے اس کے برخلاف اور کسی کتاب کی یہ خصوصیت نہیں۔

(۱۱) گیارہواں فرق یہ ہے کہ یہ رہتی دنیا تک کیلئے ہدایت نامہ ہے اسی لئے اسے آخری کتاب کہا گیا ہے اس کے بعد اب کوئی دوسری کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے نہیں آئیگی جبکہ دوسری کتابوں کے ساتھ یہ پابندی نہیں ہے وہاں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ ان کتب کی موجودگی میں دوسری کتاب برائے ہدایت

آسکتی ہے۔

(۱۲) بارہواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کو معیار صداقت ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی یہ کہ دوسری کتابوں میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں ان کی اگر قرآن تصدیق کرے یا وہ قرآن کے مطابق ہوں تبھی وہ صحیح ہیں اور اگر وہ قرآن کے خلاف ہیں تو وہ غلط ہوں گی کیونکہ قرآن بے آمیز، پاک، صادق و مصدق ہے جبکہ دوسری کتب آمیزش سے بھری پڑی ہیں اور صادق و مصدق بھی نہیں ہیں اس کی اسی خصوصیت کی بنا پر اسے مہیمن کہا گیا ہے۔

(۱۳) تیرھواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر جو تعلیمات دی گئی ہیں ان کے اندر یکسانیت اور اتحاد پایا جاتا ہے اور آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ دیگر کتب کی تعلیمات میں آپ بے شمار اختلافات پائیں گے یعنی ایک ہی مسئلہ کے سلسلے میں دو متضاد تعلیم اور احکام پائیں گے۔ جبکہ قرآن اس عیب سے پاک ہے۔

(۱۴) چودھواں فرق یہ ہے کہ قرآن اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائیں جبکہ دوسری کتب اس امتیاز سے خالی ہیں وہاں اس قسم کی کوئی تعلیم نہیں محض ہدایات و تعلیمات پر اکتفا کیا گیا ہے نیز ذاتی طور پر اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔

(۱۵) پندرھواں فرق یہ ہے کہ قرآن اصولی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور فروعات سے زیادہ بحث نہیں کرتا مثلاً نماز کا اصولی حکم ہے لیکن اس کا مکمل طریقہ اس میں نہیں ہے۔ جبکہ دوسری دیگر کتب میں اصول و فروع کی کوئی تمیز ہی نہیں۔

(۱۶) سولہواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی شرح سیرت نبوی کی شکل میں بالکل محفوظ ہے جبکہ دیگر کتب کی اس طرح کی شرح کا سراغ ہی نہیں ملتا۔

(۱۷) سترہواں فرق یہ ہے کہ پورا قرآن شروع سے اخیر تک مربوط و منظم ہے جبکہ

دوسری کتب میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی ہے۔

غرضیکہ یہ اور اسی طرح کے بہت سارے فرق ان کے درمیان پائے جاتے ہیں جن کا احاطہ اس مختصر سے مقالے میں ممکن نہیں بہر حال اطمینان قلب کیلئے جتنا میں نے ذکر کر دیا ہے وہ کافی ہے ویسے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کی جتنی صفات ہیں اتنے ہی اعتبارات سے وہ دوسری کتب سے ممتاز اور فائق ہے۔ میرے علم کی حد تک قرآن کی صفات بھی بہت سی ہیں صاحب بصائر ذوی التمیز نے تو قرآن مجید کے ۹۹ صفات کا تذکرہ کیا ہے جبکہ امام زرقانیؒ نے ۵۵ صفات کا تذکرہ مع وضاحت کیا ہے اگر ان کو ذہن نشین کر لیا جائے تو میری سمجھ سے مزید روشنی مل سکتی ہے اور ہمیں اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہ صفات ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے اور اسی کے حوالے سے ان مصنفین نے گفتگو کی ہے ورنہ ان کے علاوہ احادیث سے بھی بہت سی دوسری صفات معلوم ہوتی ہیں۔ جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔ ان کے علم سے مزید راہیں کھلتی اور ہموار ہوتی ہیں۔

بہر صورت یہ اسباب ترجیح اور فروق ہمارے سامنے واضح ہیں تو اب ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کے حقوق کو سمجھیں اور ادا کریں مختصراً قرآن کے حقوق یہ ہیں جاننا، ماننا، پڑھنا، سمجھنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اگر ہم نے یہ حقوق ادا کر دیئے تو پھر ہمارے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔ ورنہ یہی آخرت کے دن ہمارے خلاف حجت بھی بن سکتا ہے۔

مراجع و مستفادات

(۱) تاریخ افکار و علوم اسلامی جلد اول — از راغب طباخؒ
(۲) قرآن مجید کا تعارف — 〃 مولانا صدر الدین صاحب
(۳) ہندو دھرم ایک مطالعہ — 〃 محمد فاروق خاں

(۴) سہ روزہ دعوت نئی دہلی ہندوستانی مذاہب نمبر۔ ترتیب: پرواز رحمانی، جاوید علی محمد احمد
(۵) یہودیت اور نصرانیت — مولانا مودودیؒ
(۶) البرہان فی علوم القرآن — الزرکانیؒ
(۷) الاتقان فی علوم القرآن — جلال الدین سیوطیؒ
(۸) مقدمہ تفہیم القرآن — مولانا مودودیؒ
(۹) مقدمہ تدبر قرآن — 〃 امین احسن اصلاحی صاحب
(۱۰) مقدمہ نظام القرآن — 〃 حمید الدین فراہیؒ
(۱۱) ششماہی علوم القرآن جلد ۱ شمارہ ۱ مضمون اوصاف القرآن از مولانا سلطان احمد اصلاحی

غزل

شفیع اللہ خاں راز آبادی۔

ستمگروں کی خباثت کا زمانہ ہے — خدا بچائے فسادات کا زمانہ ہے
تغیرات کا سیلاب رک نہیں سکتا — یہ تفکروں کی فتوحات کا زمانہ ہے
حیات سینکڑوں خانوں میں ہوگی تقسیم — نہ جانے کتنے نظریات کا زمانہ ہے
قدم قدم پہ ابھی قاتلوں کے پہرے ہیں — لہو میں غرق مقامات کا زمانہ ہے
جسے عروجِ سکونِ جہاں سمجھتے ہو — یہی تو سینکڑوں خطرات کا زمانہ ہے
زبان رکھتے ہوئے بے زباں ہیں سب لوگ — عجیب بندشِ جذبات کا زمانہ ہے
ہر انجمن میں نیا انقلاب آیا ہے — یہ تجربوں کے کمالات کا زمانہ ہے
سلگ رہے ہیں سوالات مہر خاموشی — دھواں دھواں سا جوابات کا زمانہ ہے

یہ عصر نو کے حوالے تبار ہے ہیں راز
سمجھ سکو تو اشارات کا زمانہ ہے۔

—:—:—

مدارس عربیہ میں عربی زبان و ادب اور دینی مضامین کی تدریس میں

جدید تعلیمی تجربات سے استفادہ پر غور و فکر کیلئے کمیٹی کا قیام

۲۶؍ستمبر ۹۳ء بلریا گنج اعظم گڑھ اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے جامعۃ الفلاح میں اساتذہ کی تدریسی تربیت کا کیمپ جاری ہے۔ اس موقع پر جدید تدریسی فن میں مہارت رکھنے والے اساتذہ اور علوم دینیہ کے ماہرین کی ایک مشاورتی نشست صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر ناظم جامعہ حاجی عبدالمتین صاحب بھی موجود تھے۔ جناب محمد اشفاق احمد صاحب نے مدارس عربیہ میں تدریس کے جدید طریقوں سے استفادہ کی تجویز پیش کی۔ شرکاء نشست نے کچھ تبادلہ خیال کے بعد تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اسے مفید قرار دیا۔ اس نشست میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔

(۱) حاجی عبدالمتین صاحب ناظم جامعہ (۲) مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی صدر جامعہ
(۳) مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نائب صدر جامعہ (۴) " رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی
(۵) " مطیع اللہ صاحب فلاحی (۶) " نعیم الدین صاحب اصلاحی
(۷) " نور محمد صاحب فلاحی (۸) " محمد طاہر صاحب عمری
(۹) " صباح الدین ملک صاحب قاسمی (۱۰) جناب محمد اشفاق احمد صاحب بی ایس سی بی ایڈ
(۱۱) جناب نصرت علی صاحب ایم اے لکھنؤ (۱۲) " ڈاکٹر محمد داؤد صاحب۔ نگینہ
(۱۳) حافظ منصور عالم سکریٹری سوسائٹی۔

مشورہ کے بعد مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب، مولانا رحمت اللہ اثری صاحب

مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب، مولانا نور محمد صاحب، مولانا مطیع اللہ صاحب اور مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب کو کمیٹی کا رکن اور مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کو کنوینر اور مولانا صباح الدین ملک صاحب کو معاون کنوینر مقرر کیا گیا۔ اور یہ بھی طے پایا کہ صدر جامعہ کمیٹی کے صدر ہوں گے۔ کنوینر اور معاون کنوینر کمیٹی کے ارکان کے تعاون سے اس کام کے علمی، فنی اور تعلیمی پہلوؤں کی انجام دہی کریں گے اور انتظامی امور سوسائٹی کے ذریعہ انجام پائیں گے۔ آغاز کار کے لئے یہ طے پایا کہ عربی زبان میں اس فن پر موجود مواد فراہم کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے ملاقات کرکے ان سے تعاون حاصل کیا جائے۔

منصور عالم سکریٹری اترپردیش فلاح عام سوسائٹی لکھنؤ۔

غزل

آزاد ضمیر گھری
نشاط پریس ٹانڈہ فیض آباد

اس سے بڑھ کر تیری طاقت تو نہیں
غیر فانی یہ حکومت تو نہیں

ہو کھلونا ظالموں کے ہاتھ کا
جو عدالت، وہ عدالت تو نہیں

اک امٹ تاریخ ہے، تہذیب ہے
بابری مسجد، عمارت تو نہیں

یہ تباہی کے مناظر چار سو
میری قربانی کی قیمت تو نہیں

آپ جو چاہیں وہ اس کو نام دیں
حق بیانی ہے بغاوت تو نہیں

پوچھتا ہوں اے جبین پر شکن!
جرم اظہار صداقت تو نہیں

جس قدر تدبیر ہو، کر دیکھئے
آپ کے ہاتھوں میں قسمت تو نہیں

میں چلا جاتا ہوں، لیکن سوچ لو
پھر کبھی میری ضرورت تو نہیں

اک زمانہ ہے خفا آزاد سے
آپ کو بھی کچھ شکایت تو نہیں

حذف

حذف مضاف مضاف کے حذف ہونے کا اسلوب قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس کی کئی شکلیں ہیں۔ لیکن یہ حذف بھی ہوتا اسی جگہ ہے جہاں قرینہ موجود اور اسکی وضاحت کے بغیر بھی قاری کا ذہن اسکی طرف منتقل ہو سکتا ہو۔ اس صورت میں کلام کو خواہ مخواہ بوجھل بنانے کے بجائے حذف کا فائدہ اٹھا کر کلام کو چست بنا دیا جاتا ہے۔ اب مثالیں ملاحظہ ہوں۔

الف: بستیوں اور گروہوں سے پہلے لفظ اہل کا حذف

۱۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ھود ۸۴) اور مدین کے باشندوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا

ظاہر ہے کہ پیغمبر کی بعثت کسی بستی کے در و دیوار کی طرف نہیں ہوتی بلکہ وہاں رہنے والے لوگوں کی طرف ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی غایت درجہ وضاحت کے باعث یہاں مدین کا مضاف "اہل" حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۔ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا (یوسف ۸۲)

"آپ اس بستی (کے لوگوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم رہتے ہیں اور اس قافلے (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم آئے ہیں"

یہاں بھی القریہ اور العیر دونوں سے پہلے ان کا مضاف "اہل" حذف ہو گیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر پوچھا جائے گا تو بستی کے باشندوں سے اور کسی قافلے کے شرکاء سے پوچھا جائیگا۔ یہاں بھی مضاف غایت درجہ واضح ہے۔ اسکو الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ب۔ متعلقات کا حذف بسا اوقات اصلاً کسی شے کے متعلقات کا ذکر مقصود ہوتا ہے لیکن ان کے بجائے اس شے کا ذکر کر دینا کافی سمجھا جاتا ہے کیونکہ قاری خود ہی کلام کے خلا کو بھر لیتا ہے۔ لہذا یہ متعلقات جو کلام میں اس شے کے مضاف کی جگہ پر ہوتے ہیں حذف ہو جاتے ہیں مثلاً

۱۔ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (مریم ۴) "اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا"

یہاں بڑھاپے سے سر نہیں بلکہ سر کے بال سفید ہو کر بھڑک اٹھنے کا بیان ہے لیکن ترکیب شعر الراس میں سے لفظ شعر (بال) کو حذف کر دیا گیا۔

۲۔ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (بقرہ ۹۳)

"ان کے کفر کے سبب سے بچھڑے (کی پرستش) ان کے دلوں میں رچ بس گئی"

یہود کے دلوں میں بچھڑے کا وجود رچ بس نہیں گیا تھا بلکہ سامری نے اس کا جو بت بنایا اس کی محبت یا اس کی پرستش بنی اسرائیل کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔ لہذا یہاں العجل کا مضاف ..... حب یا عبادت۔ حذف کر دیا گیا۔

۳۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ (حشر ۵)

"جو کچھ اللہ بستیوں والوں (کے مالوں) میں سے اپنے رسول کی طرف لوٹائے تو وہ اللہ کا ہے۔۔۔۔"

اس آیت میں مال فے کی تقسیم کا حکم ہے۔ مال فے وہ مال ہے جو اہل ایمان کو اپنے دشمنوں سے اس صورت میں ہاتھ آتا ہے جب ان سے لڑائی کی نوبت نہ آئے۔ فے میں باشندے ہاتھ نہیں آتے بلکہ ان کا مال ہاتھ آتا ہے۔ لیکن آیت میں صرف اہل القریٰ آیا ہے۔ حقیقت میں اس لفظ سے پہلے لفظ "اموال" جو اہل القریٰ کا مضاف تھا، حذف کر دیا گیا ہے۔

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا (کہف ۲۱) "ہم ان (کے غار) پر ایک مسجد بنائیں گے"

اس آیت کا تعلق اصحاب کہف سے ہے۔ جب علاقے کے لوگ اصحاب کہف کی اصلیت سے آگاہ ہوئے تو ان کو ان سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے ان کے غار پر کوئی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس بارے میں لوگوں میں بحث ہوئی کہ یادگار کون سی ہو۔ ان میں سے ایک

گروہ نے یہ اعلان کیا کہ ان نیک لوگوں کے غار پر ہم ضرور ایک مسجد تعمیر کریں گے۔ آیت میں علیہم (ان پر) سے مراد علی کہفہم (ان کے غار پر) ہے۔ کہف کا لفظ جو "ھم" کا مضاف ہے حذف ہے۔

۵۔ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ۔ (بنی اسرائیل ۷۴-۷۵)

"اور اگر ہم نے تم کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ جھک پڑو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تم کو زندگی اور موت دونوں کا دوگنا (عذاب) چکھاتے"

یہاں اصل میں ضعف عذاب الحیٰوۃ وضعف الممات مراد ہے لیکن عذاب کا لفظ دونوں جگہ حذف ہو گیا ہے کیونکہ یہ قرینہ سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۶۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ ۴۱)

"وہ کلام کو اس کے موقع (محل کی وضاحت) کے بعد بھی اس کے محل سے ہٹا دیتے ہیں"

یہاں مواضع کا مضاف وضوح حذف ہو گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہود کے ایجنٹ شرارت کے لیے کلمات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر بالکل دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب واضح کیا جا چکا ہے۔

ج۔ مضمون کی وسعت باقی رکھنے کیلئے حذف

مضاف کو جب الفاظ میں بیان کر دیا جائے تو جملے کا ایک خاص مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور مضاف کے طور پر آنے والے لفظ کی حدود ہی میں رہ کر اس کو سمجھا جاتا ہے۔ جہاں مفہوم وسیع ہو اور کسی ایک لفظ کی حدود میں نہ آتا ہو تو وہاں مضاف کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ قاری اپنے فکر کو کام میں لا کر اس کی وسعتوں کا خود احاطہ کرے۔ مثلاً

۱۔ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (حج ۷۸) "اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے"

یہاں لفظ اللہ کا مضاف محذوف ہے۔ دین یا سبیل یا کوئی بھی موزوں لفظ یہاں مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب ہی یہاں مراد ہیں۔

۲۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد ۷) "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا"

یہاں اللہ کا مضاف بیان نہیں ہوا حالانکہ یہاں مراد اس کے دین کی نصرت ہے جس کی شکلیں بے شمار ممکن ہو سکتی ہیں۔ اسی وسعت کو قائم رکھنے کے لیے مضاف کو حذف کر دیا

۳۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (احزاب ۲)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، ایسے شخص کیلئے جو اللہ (کی ملاقات) اور روز آخرت (کے اجر) کی توقع رکھتے ہیں"

یہاں لفظ اللہ کا مضاف لقاء یا رحمہ یا کوئی اور لفظ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح الیوم الآخر کا مضاف عام جزا یا ثواب یا کوئی اور لفظ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دونوں جگہ مضاف کو حذف کر کے مضمون کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ تمام پہلو مراد لیے جا سکیں۔

د۔ کامل شخصیت سے تعارف کیلئے حذف:

قرآن مجید کے متعدد مقامات پر ایک شخص کردار بیان ہوا ہے۔ مراد تو اس کی صفات کے کسی خاص پہلو یا کیفیت کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے لیکن اسکی بجائے پوری شخصیت ہی کو پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا پورا سراپا سامنے رہے لہٰذا مضاف جو صرف اس کے خاص پہلو کو ہی نمایاں کر سکتا، حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب ۱۹)

"انکی آنکھیں اس شخص (کی آنکھوں) کی طرح گردش کر رہی ہیں جس پر سکرات موت کی حالت طاری ہو"

یہاں ظاہر تو یہ کرنا مقصود ہے کہ خطرے کی صورت میں منافقین کی آنکھیں خوف زدگی کے عالم میں ایک ایسے شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کرتی تھیں جس پر موت کی غشی طاری ہو چکی ہو لیکن مضاف... دوران عین ... کو حذف کر کے ایک مرنے والے کی کیفیت کی تصویر کشی کر دی جس سے منافقین کی حالت بہت واضح ہو گئی۔

۲۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ (نساء ۱۱۴)

"انکی سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس میں کوئی خیر نہیں۔ خیر والی سرگوشی تو صرف اس کی ہے جو

جو صدقہ کی صلاح دے یا کسی نیکی کی راہ سجھائے یا اصلاح ذات البین کی دعوت دے"

یہاں "مَنْ اَمَرَ" سے پہلے اسم کا ایک مضاف حذف ہے جو جملے کے ابتدائی حصے سے سمجھ میں آجاتا ہے یعنی نجویٰ اخیر۔ اسی کو محذوف کرکے گویا اس شخص کا کردار نمایاں کردیا جو صدقہ، نیکی اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے میں مستعد رہتا ہے۔

٢۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (توبہ ١٩)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے انتظام کو ان لوگوں کے (عمل کے) ہم رتبہ بنا دیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے"

یہاں بھی "مَنْ آمَنَ" کا مضاف محذوف ہے۔ مراد اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والے مومنین کے اعمال صالحہ ہیں۔

ٹھیک اسی طرح کی آیت سورہ بقرہ کی آیت ١٧٧ ہے۔ اس میں بڑی وضاحت کے ساتھ ایک پورا کردار سامنے کردیا گیا ہے کہ اس کردار کی وفاداری اور نیکی دیکھو۔ یہ ہے وہ برّ جو خدا کے ہاں پسندیدہ ہے نہ کہ تمہارا مشرق و مغرب کی طرف منھ کر لینا۔ وہاں آیت یوں ہوگی۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ (بقرہ ١٧٧)

"بلکہ وفاداری انکی (وفاداری) ہے جو اللہ پر ایمان لائیں ...."

لیکن "مَنْ آمَنَ" کا مضاف حذف کردیا گیا ہے۔

اخبار علمیہ

ابن اسلم فلاحی

قرآن پاک کے نادر و نایاب تاریخی نسخے
حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور کے مخطوطات

لندن:۔ شعبہ عربی، انڈیا آفس لائبریری لندن نے فخر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے پاس قرآن پاک کے تقریباً ڈھائی سو بہت ہی قدیم مکمل نایاب، نادر مجلد اور مختلف رسم الخط میں لکھے ہوئے نسخے محفوظ ہیں۔ ان کے ذخیرہ میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور کے مخطوطات بھی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہی اپنے دور میں قرآن شریف کی باقاعدہ کتابت کروائی تھی۔ اور مصدقہ نسخوں کو بعض ممالک کو جہاں اسلامی حکومت قائم کی تھی روانہ کیا تھا۔ تاشقند میں کلام پاک کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس پر خون کے دھبے موجود ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے لکھا ہوا قرآن ہو سکتا ہے۔ جس کو وہ اپنے قتل کے موقع پر تلاوت فرما رہے تھے۔ ایسا ہی ایک قدیم قرآن شریف روم میں عیسائی مذہب کے پیشوا پوپ کی لائبریری میں ہے۔ انڈیا آفس لندن میں مختلف رسم الخط کے قرآن پاک کے جو نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں دیدہ زیب کشمیری نسخوں کے علاوہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور کے مخطوطات بھی ہیں۔ مغلوں کے زمانے میں قرآن پاک کے جو قدیم ترین نسخے بھی جنہیں چند سونے کے پانی سے لکھے ہوئے ہیں انڈیا آفس لندن میں موجود ہیں۔ (ہفتہ وار نقیب پٹنہ ٢٣ اگست ١٩٩٣ء صفحہ ١٢)

دامن کو ذرا دیکھ......

الہ آباد سے شائع ہونے والے ہندی کے ماہنامہ "مایا" نے ہندوستانی خواتین کی صورتحال کا جائزہ لینے والی کمیٹی کا ایک سروے شائع کیا ہے جس کے مطابق ایک سے زائد شادی کا رجحان سب سے زیادہ ہندو مذہب میں پایا جاتا ہے۔ آدی واسیوں

میں ۳۵.۱۵٪، بودھ مذہب میں ۸۶.۰۰٪، جین میں ۷۲.۷۶٪ اور ہندو مذہب میں ۵۵.۲۸٪ جب کہ سب سے کم مسلمانوں میں ۴۲.۳۲٪ ہے۔ (تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵ اگست ۹۳ء صفحہ ۱۳)

مسلمانوں کا انگریزی روزنامہ شائع کرنے کی ایک اور کوشش

نئی دہلی، حیدرآباد ایک خبر کے مطابق گزشتہ دنوں نئی دہلی سے ممتاز صحافیوں اور شخصیات پر مشتمل ایک وفد حیدرآباد گیا تھا اور اس نے وہاں مسلمانوں کے ایک انگریزی روزنامہ کی اشاعت کے لئے امداد و حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائمز آف انڈیا کے سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر مسٹر محمد شمیم نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی آواز حکومت اور ملک کے باشندوں تک پہنچانے کے لئے مسلمانوں کے انگریزی روزنامہ کی اشد ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ قومی پریس مسلمانوں کے مسائل صحیح طور پر پیش نہیں کرتا اور مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیوں کو پھیلانے میں مدد دیتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نئی دہلی میں ایک ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے جس کو وقف ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرایا گیا ہے۔ وقف ______ کا نام ہندوستانی وقف رکھا گیا ہے۔ مجوزہ انگریزی روزنامہ کا نام ہندوستانی گارجین ہوگا اور اس کے لئے دس کروڑ روپے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ مسٹر محمد شمیم کے مطابق اس وقف کے ارکان (واقف) مندرجہ ذیل ہیں:

مسٹر محمد شمیم، مسز زینب خسرو (اہلیہ ڈاکٹر اے ایم خسرو)، مسٹر معین فاروقی، ڈاکٹر فضل الحق، مسٹر احمد رضا، حاجی محمد رفیع صدیقی، بیگم فوزیہ خاں اور پاکیزہ بیگم۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۱ ستمبر صفحہ ۵)

دینی تعلیمی کونسل کا دوسرا کنونشن

لکھنؤ۔ دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش نے اطلاع دی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات اور سابق حکومت اتر پردیش کے مسلمانوں کے خلاف بعض فیصلوں کے پیش نظر ۶ اور ۷ نومبر کو لکھنؤ میں کل ہند دینی تعلیمی کونشن زیر صدارت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی منعقد کیا جائے گا۔ اس میں پورے ملک کے چیدہ علماء کرام، مدارس عربیہ اور دینی تعلیمی کونسل کے ذمہ داران اور ماہرین تعلیم مدعو ہوں گے۔ پروگرام کی تفصیلات بعد میں شائع کی جائیں گی۔ ضروری معلومات کے لئے دفتر دینی تعلیمی کونسل عارف آشیانہ کامپلیکس پہلی منزل چوک لکھنؤ سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۵ ستمبر ۹۳ء صفحہ ۵)

محمد اسماعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

انجمن کی مجلس شوریٰ، جامعہ کی مجلس تعلیمی اور انتظامیہ کے اجلاس

۲۱ اکتوبر ۹۳ء کو انجمن طلبہ قدیم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونا طے ہے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو جامعہ کی مجلس تعلیمی کا اجلاس ہوگا۔ اس اجلاس کے بعد ۲۳ اور ۲۴ اکتوبر ۹۳ء کو جامعہ کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوگا۔

تدریسی اور اسکاؤٹنگ کیمپ اختتام پذیر

حسب پروگرام یکم ستمبر ۹۳ء کو جامعہ میں صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی کے تذکیری کلمات سے اساتذہ کے تربیتی کیمپ کا آغاز ہوا۔ اس کا اہتمام اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی نے کیا تھا۔ صدر جامعہ نے فرمایا اللہ نے انسان کو دو خاص نعمتیں عطا کی ہیں پڑھنا اور بیان کرنا۔ تعلیم و تربیت کا عمل ان صلاحیتوں کو فروغ دیتا ہے۔ ان تربیتی کیمپوں کا یہی مقصد ہے۔

مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب نے بڑے درد کے ساتھ فرمایا آج ملت اسلامیہ تعلیم کے میدان میں دوسرے طبقات سے بہت پیچھے ہے۔ ہمارے عصری اور دینی اداروں میں معیار تعلیم کا انحطاط ہمارے سامنے ہے۔ دینی مدارس میں مادی مفادات اور عہدوں کی دوڑ ہے۔ ہمارا کام رشد و ہدایت کی دعوت دینا ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر ہماری تدریسی کوششیں ہونی چاہئیں۔ ایک اچھا معلم ہونے کے ساتھ مربی بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر پیشہ وارانہ مہارت

کے ساتھ دینی شعور ضروری ہے۔ آج تدریسی تربیتی اداروں میں پیشہ وارانہ مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن دین واخلاق کا پہلو قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ الحمدللہ فلاح عام سوسائٹی کے زیر اہتمام تربیتی کیمپوں میں ان دونوں پہلوؤں پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے مولانا قاسمی نے مزید کہا کہ سرپرست اپنے بچوں کو بطور امانت حوالہ کرتے ہیں اگر وہ اساتذہ اچھا انسان بنائیں تو ملک وملت پر بھاری احسان ہوگا۔ مولانا نے یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کی کہ ہمارے مکاتب ومدارس خطرے کی زد میں ہیں۔ ہمیں انکی حفاظت اور مدافعت کے لئے ہر پہلو سے تیار رہنا چاہیئے ورنہ ملک میں مسلمانوں کے لئے راہیں دشوار ہو جائیں گی۔

سکریٹری سوسائٹی جناب حافظ منصور عالم صاحب نے سوسائٹی کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی اور اس کے مختلف پروگراموں کا تعارف پیش کیا۔

اس کیمپ میں تقریباً ۴۳ اساتذہ نے تربیت حاصل کی۔ کیمپ سے استفادہ کرنے والے غیر رجسٹرڈ اساتذہ کی تعداد اس سے کہیں زیادہ رہی، قابل لحاظ تعداد میں باہر کے اساتذہ بھی شریک ہوئے۔

۲۰ ستمبر ۹۳ء کو اسکاؤٹ ماسٹر جناب ڈاکٹر سید مہتاب صاحب تشریف لائے، صدر جامعہ نے اسکاؤٹنگ کا افتتاح کرتے ہوئے آیات واحادیث کی روشنی میں اس کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی اسکاؤٹنگ میں ڈیڑھ سو طلبہ شریک ہوئے تقریباً ۸ گھنٹے روزانہ انہوں نے تربیت حاصل کی اور غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

۳۰ ستمبر ۹۳ء کو ان دونوں کیمپوں کا اختتامی پروگرام ہوا۔ طلبہ نے اسکاؤٹنگ کے مختلف فنون کا مظاہرہ کیا جسے دیکھ کر شبلی ڈگری کالج کے پرنسپل قاضی غوث عالم صاحب اس بات پر حیرت زدہ رہ گئے کہ طلبہ نے اتنی مختصر مدت میں یہ سب کس طرح سیکھ لیا۔

اختتامی پروگرام میں بحیثیت کنوینر مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی نے تمہیدی کلمات میں کہا کہ علم کی اہمیت امت مسلمہ سے بڑھکر اور کون جان سکتا ہے۔ اسی علم کی بنا پر تو انسان مسجود ملائک ہوا

صدر مجلس اور صدر جامعہ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ علم کا چرچا ہمارے درمیان سب سے زیادہ ہونا چاہئے علم دین اور علم دنیا دونوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، کسی کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں، جامعہ نے دونوں کی تعلیم کو اپنے نصاب میں شامل کیا ہے۔ البتہ علم دین کو بہرحال تقدم اور فوقیت حاصل ہے۔

سکریٹری سوسائٹی حافظ منصور عالم صاحب نے "رَبِّ زِدْنِی عِلْماً" کی دعا کرتے ہوئے کہا علم ہماری حقیقی میراث ہے افسوس اسمیں ہم پیچھے رہ گئے اور علم کے معاملہ میں پس ماندہ کہے جاتے ہیں۔ فلاح عام سوسائٹی نے جہاں دیگر رفاہی کام کئے ہیں وہیں تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سوسائٹی کے زیر اثر چلنے والے اسکولوں اور مکاتب کی دیکھ بھال اور پابندی سے ان کے معائنہ کے لئے معائنہ کنندگان کے دو تربیتی کیمپ نومبر ۹۳ء میں بلکھنا، سدھارتھ نگر اور گلرالہ بدایوں میں منعقد کئے جائیں گے۔ اور ۲۴ ر دسمبر ۹۳ء تا ۲۴ ر جنوری ۹۴ء علی گڑھ میں معلمات کا تربیتی کیمپ لگے گا۔ حافظ صاحب نے طلبہ کی صحت وتندرستی کے پیش نظر اسکاؤٹنگ کے سلسلہ میں جامعہ کی پیش قدمی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اسکاؤٹ ماسٹر ڈاکٹر سید مہتاب صاحب کی شبانہ روز محنت اور طلبہ کے جوش وخروش پر بھی اظہار اطمینان کیا۔

رکن انتظامیہ جامعۃ الفلاح ڈاکٹر ابرار حسین صاحب نے کہا تربیت اور ٹریننگ کے بغیر تعلیم ممکن نہیں، نیز موصوف نے مشورہ دیا کہ جہاں کہیں تدریسی تربیتی کیمپ کا انعقاد ہو وہاں اسکاؤٹنگ کیمپ کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔

اسکاوٹ ماسٹر جناب ڈاکٹر سید مہتاب حسین صاحب نے کہا میں حیران ہوں کہ طلبہ کو تقریباً تین سال کا کورس سکھانے میں اس قدر جلد کیسے کامیاب ہو گیا، طلبہ کے اندر غیر معمولی شوق اور ان کے اندر وسعت نظر کا دراصل یہ نتیجہ تھا۔

زیر تربیت اساتذہ میں سے مولانا عبدالاحد صاحب فلاحی استاذ مصباح العلوم چوکونیاں، مولانا عبدالکریم صاحب انور حکیمی استاد جامعۃ الفلاح، ماسٹر محمد فاروق صاحب ــ بہادر، مولانا مشتاق احمد صاحب فلاحی استاد جامعہ اور مولانا جمیل احمد صاحب فلاحی استاد جامعہ نے اپنے تاثرات واحساسات پیش کئے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ اور فلاح عام سوسائٹی ایک ہی جسم کا حصہ اور ایک ہی مقصد کی جانب رواں دواں ہیں پیری اور ضعیفی کے باوجود کیمپ کے مربی اساتذہ کی انتھک محنت لائق عبرت ہے اسلامی طرز تدریس میں قانون سے زیادہ اخلاق کو اہمیت حاصل ہے کیمپ کے مربی اساتذہ کے اندر یہ چیز محسوس کی گئی۔ جو لوگ طریقہ تدریس یا بچوں کی نفسیات سے ناواقف ہیں وہ بچوں سے انصاف نہیں کر سکتے۔ تربیتی کیمپ کی مدت میں اضافہ ہونا چاہئے۔ طلبہ، اساتذہ، سرپرست طلبہ اور انتظامیہ، اگر سب اپنی ذمہ داریاں پوری کریں تو تعلیم کے گرتے معیار کو سنبھالا جا سکتا ہے اساتذہ کے تجربات کم ہوں یا زیادہ، بہر صورت فن تدریس سے واقفیت ضروری ہے، ذمہ داران مدارس کو بھی تنظیم مدرسہ کے فن سے واقف ہونا چاہئے۔ سوسائٹی کو انکے لئے بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ناظم کیمپ جناب مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی نے شرکائے تربیت اور مربی اساتذہ سے معذرت کی اور کہا آپ حضرات کو تکلیف پہونچی ہوگی، معاف فرمائیں، اس میں میری کوتاہی کم علمی اور ناتجربہ کاری کا دخل ہو سکتا ہے۔

اس اختتامی پروگرام میں صدر تنظیم ایس آئی او سید امین الحسن شریک رہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس کیمپ میں ٹریننگ دینے والے مربی اساتذہ کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حافظ منصور عالم صاحب کانپور، جناب محمد اشفاق صاحب بی اے ایس آئی ایڈ سکریٹری تعلیمات دہلی، جناب نصرت علی صاحب ایم، اے لکھنو، جناب محمد اسلم صاحب علیگڑھ۔ جناب ماسٹر اظہر بیگ صاحب سلطانپور، جناب محمد صاحب فیض آباد، جناب محمد صادق صاحب ڈھلمئی فیروز پور، ڈاکٹر محمد داؤد صاحب نگینہ، جناب محمد راشد صاحب ایم اے بی ایڈ دہلی جناب محمد الیاس صاحب پورنیہ، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی، مولانا محمد طاہر صاحب عمری۔

اس پورے کیمپ کے دوران سکریٹری تعلیمات جناب محمد اشفاق صاحب کی زیر نگرانی ہندی اور سیات کا ورکشاپ بھی چلتا رہا۔

جناب امیر الحسن فلاحی صاحب جامعہ سے مستعفی

برادر عزیز جناب امیر الحسن فلاحی صاحب بعض مجبوریوں کیوجہ سے جامعہ سے مستعفی ہو گئے ہیں الوداعی نشست میں صدر جامعہ نے انکی خدمات کو سراہا۔ موصوف کتب خانہ کے انچارج تھے، اسے انہوں نے ترقی دینے کی کوشش کی، اسی طرح وہ بچوں کے مربی اور اتالیق تھے۔ اس پہلو سے بھی خلا محسوس ہونے نہیں دیا۔ صدر جامعہ نے دعا کی کہ وہ جہاں ہیں اطمینان وسکون کیساتھ رہیں۔

جناب امیر الحسن صاحب اپنے امڈتے جذبات پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بس اتنا کہہ سکے آپ کی نیک تمناؤں کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا جہاں کہیں رہوں گا جامعہ کی بھلائی کیلئے سوچتا اور کرتا رہونگا میرا ارادہ اس سسٹم کو پورا کرنے کا تھا لیکن بعض ناگزیر حالات کی بنا پر یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو پھر جامعہ کی خدمت کے لئے حاضر ہو سکتا ہوں ذمہ داروں کو مختلف مواقع پر تکلیف پہنچی ہوگی۔ میں اس موقع پر ان سے معافی مانگتا ہوں۔

مولانا صدر الدین اصلاحی کا انتقال پر ملال

سابق ناظم جامعہ اور ممتاز عالم دین

جناب مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی ۱۰؍ستمبر ۹۳ء کو اپنے گھر (چھوپیوا اعظم گڑھ) میں گر گئے جس سے بائیں طرف کولہے کی ہڈی متاثر ہو گئی اور اس میں بال آگیا۔ متعدد اساتذہ نے موصوف کی عیادت کی اس وقت وہ ہومیوپیتھک علاج کر رہے ہیں اور افاقہ محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے۔

فلاحی بھائیوں کو صدمہ

برادر مکرم جناب مشرف حسین صاحب فلاحی کے والد بزرگوار جناب حاجی توسل حسین صاحب ۱۲؍ستمبر ۹۳ء کو وفات پا گئے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک جامعۃ الصالحات رامپور کے ناظم اور مرکزی درسگاہ رامپور کے نائب صدر دیندار اور وضعدار انسان تھے شروع سے آخر تک جماعت اسلامی سے گہرا تعلق تھا۔ انکے انتقال کی خبر سن کر صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری صاحب اور مولانا نور محمد صاحب فلاحی جو ان دنوں دہلی میں تھے رامپور جنازہ میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر جناب مشرف حسین صاحب فلاحی نے ان دونوں صاحبان سے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس سے ان کے والد کے دینی شعور اور دینی حمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد مرحوم توسل حسین صاحب انگریزوں کے زمانہ میں ایکسائز انسپکٹر تھے۔ ایک بار افسران بالا کی موجودگی میں کوئی پروگرام چل رہا تھا، نماز کا وقت آیا، وہ نماز کو چل دیے۔ واپسی پر ایک انگریز افسر نے پوچھا بغیر اجازت کیسے چلے گئے جواب دیا اس ہستی کے دربار میں گیا تھا جہاں جانے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی اس افسر نے کچھ سخت سست کہا، انہوں نے اسی وقت ملازمت کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا اور استعفا دے دیا، بازار سے مشین خریدی، اہلیہ کے پاس لائے، ساری روداد سنائی اور کہا اب اسی سے بال بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ مرحوم توسل حسین صاحب کہا کرتے تھے اگر میں نے استعفا نہ دیا ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ میرے بچے مختلف سرکاری عہدوں پر ہوتے۔ استعفے کے بعد میں نے بچوں کو اعلیٰ دینی تعلیم دلائی اور آج مجھے

ان پر اطمینان ہے۔

دوسری افسوسناک خبر یہ ہے کہ برادر محترم جناب نسیم احمد غازی فلاحی کے بڑے بھائی جناب کلیم احمد غازی صاحب ۴۵ سال کی عمر میں ۲۴؍ستمبر ۹۳ء کو اپنے وطن غازی آباد میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم پہلے جگدیش پرشاد تھے۔ جماعت کے بعض افراد کی کوششوں سے وہ اسلام کے قریب ہوئے ان کے چھوٹے بھائی نسیم اسلام کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے انکی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ یہی نسیم بعد میں نسیم غازی بنے۔ کلیم غازی صاحب نے شروع میں اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور بھائی کی ہر طرح حوصلہ افزائی اور ہر قدم پر مدافعت کرتے رہے۔ انکی ایما پر نسیم احمد غازی صاحب جامعۃ الفلاح میں داخل ہوئے بعد میں انہوں نے اپنے تمام بچوں کو جامعہ میں داخل کیا۔ ان سب کی کوششوں سے تقریباً پورا خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ جامعہ سے ان کا گہرا جذباتی لگاؤ تھا اور عملاً جامعہ کا ہر ممکن تعاون کیا کرتے تھے۔ مسلم اور غیر مسلم سب میں بڑی مقبول شخصیت کے مالک تھے۔ اسلام کا تعارف کرانے اور توحید کی دعوت دینے کی ایک دھن سوار رہتی۔ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ اسلام سے قریب ہوئے، کتنوں کی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور کتنوں نے اسے گلے لگایا۔ ان کے جنازہ میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد شریک تھی۔ مرحوم کے صاحبزادوں میں برادر محترم وسیم احمد غازی صاحب فلاحی نے جامعہ سے عالمیت تک اور نعیم احمد غازی صاحب فلاحی نے فضیلت تک تعلیم حاصل کی ہے۔

تیسری دکھ بھری خبر یہ ہے کہ عزیزی ریاض احمد فلاحی کے والد جناب وصی محمد صاحب دماغی فالج کے حملہ سے ۱۰؍ستمبر ۹۳ء کو بمبئی میں انتقال فرما گئے، وہ وہاں ایک کالج میں استاد تھے۔ وہیں تدفین عمل میں آئی۔ مرحوم تحریک اسلامی کے ہمدرد اور دین پسند انسان تھے۔

ہمیں ان تینوں صاحبوں پر دکھ ہے۔ مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کرتے

ہیں اور پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

مرکز انجمن میں مقامی فلاحی برادران کی نشست

الحمد للہ جامعہ میں ششماہی تعطیل میں اساتذہ کا تربیتی کیمپ بڑی کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اس کیمپ میں مصباح العلوم چوکونیاں۔ اور بعض دوسرے مدارس کے اساتذہ تشریف لائے اور بھرپور استفادہ کیا اس موقع پر سکریٹری انجمن مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نے ۳۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کو مقامی فلاحی برادران کی ایک نشست رکھی جس میں اسکی افادیت اور اہمیت اجاگر کرکے اس میں شرکت کی ترغیب دلائی گئی چنانچہ اس کی اہمیت کے پیش نظر فلاحی اور غیر فلاحی اساتذہ اس میں شریک ہوئے۔ تمام ہی شعبوں سے اس میں نمائندگی رہی اور تقریباً تمام غیر تربیت یافتہ (UNTRAINED) فلاحی برادران نے اس کیمپ سے استفادہ کیا۔ کیمپ میں شرکت کے بعد سب نے اسکی افادیت محسوس کی اور اپنی شرکت پر خوشی کا اظہار کیا۔

وفد انجمن بمبئی میں

ششماہی تعطیل میں سکریٹری انجمن جناب مولانا محمد عمران خاں صاحب فلاحی (نائب صدر جامعہ) نے مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی اور ماسٹر سراج احمد صاحب کے ہمراہ بمبئی کا سفر کیا۔ یہ سفر مجوزہ جیپ کے لئے تعاون حاصل کرنے کی غرض سے تھا۔ الحمد للہ وقت کی تنگی کے باوجود یہ سفر بڑی حد تک کامیاب رہا۔

حلقۂ یاراں

مدیر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ آپ، مع رفقائے کار، بخیر و عافیت ہوں گے

"حیاتِ نو" شمارہ جولائی ۱۹۹۳ء سامنے آیا، پہلی ہی نظر "کسبِ کمال" پر پڑی، مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم یاد آگئے۔ "دار العلوم ندوہ" میں وہ میرے بزرگ ہم عصر ساتھی رہے ہیں، انہیں اور مجھ میں زمین اور آسمان کا فرق تھا، یہ اوائل ۱۹۳۱ء کی بات ہے، میں "درجہ اول عربی" کا طالب علم تھا، جس کا سلسلہ چند مہینے سے آگے نہ بڑھ سکا، اور مولانا "دورۂ حدیث" کی تکمیل کررہے تھے، میں تو چلا آیا، پھر معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کب تک وہاں رہے۔

آگے چل کر جب ملاقات ہوئی تو میں "مدرسۃ الاصلاح" کا ادنیٰ "معتمد مال" تھا اور اب بھی ہوں اور مولانا عربی کے اعلیٰ استاد تھے، مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور پروردگار کے بڑے کرم کے مستحق تھے "کسبِ کمال" کے حصول سے کون انکار کرسکتا ہے۔؟

تیسرے صفحہ پر پہنچا، تو قیمتی اداریہ۔ "مدارس میں ٹکنیکل تعلیم" پر نگاہ ٹھہر گئی، آپ نے دورِ حاضر کی ایک "بڑی ضرورت" کی طرف توجہ دلائی ہے، اللہ آپکی صدا پر، لوگوں کو "لبیک" کہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ آپنے بڑے دلنشین اور موثر انداز میں توجہ دلائی ہے۔

آگے [illegible] مضمون، مفید نظر آیا اور جب "توجہ مطلوب ہے" پر پہنچا تو ایک بار پھر، توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہوگیا، غرض پورا رسالہ "حیاتِ نو" کی تلاش میں ہے ایسا محسوس ہوا، اچھا اب اجازت، کوئی پرسانِ حال ہو، تو اس سے میرا سلام کہئے، ممنون ہونگا۔

والسلام

طالب دعا۔ عبد الرحمن ناصر اصلاحی، جامعی